دعاء سری وجہری

پر محققانہ نظر

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست دعائے سری و جہری پر محققانہ نظر

التحقیق الحری فی ندب الدعاء الخفی

دعائے سری و جہری

پر محققانہ نظر

کلمات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ازمولانا عبدالجمیل صاحب باقوی رحمۃ اللہ علیہ

ناظم جمعیۃ علماء ہندوانمباڑی

الحمدللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

شریعت نے جن احکام کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد کی ہے، ان میں کلمہ طیّبہ کی شہادت کے بعد نماز کا درجہ اولین ہے، نماز اجتماعی ہو یا انفرادی تکبیر تحریمہ سے شروع ہوکر تسلیم پر ختم ہوجاتی ہے، نماز کے اندر اور باہر کے ارکان وشرائط میں کسی بھی قسم کی کمی ہو تو قطعا نماز نہیں ہوتی، واجبات، سنن ومستحباب جن کی شریعت نے نشاندہی کی ہے وہ ظاہر ہیں، اور جن حقائق کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں امت کے کسی بھی فقہی مسلک کا اختلاف نہیں ہے، البتہ سورہ فاتحہ کی قرأت پر فرض وواجب کی اصطلاح فقہ حنفی وشافعی وغیرہ میں زیر بحث آسکتی ہے، ہاں قرأۃ خلف الامام فاتحہ ایک بنیادی مسئلہ ہے، جس میں صرف حنفی فقہ کے عاملین اپنا انفرادی حق حدیث ہی کی بنا پر محفوظ رکھتے ہیں۔

زیر نظر رسالہ میں جس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے وہ بعد نماز دعا بالجہر کا مسئلہ ہے جس کو بعض مصالح پسند حضرات نے نزاعی مسئلہ بنا دیا ہے اور رواج عام کی وجہ سے وہ نماز کا ایک داخلی مسئلہ بن گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی

سنت غیر مؤکدہ اور مستحب فعل پر کثرت سے التزام ہونے لگے تو اس کو گا ہے چھوڑ دینا چاہیئے، تا کہ اس کی حقیقت فرض کے روبرو واضح ہو جائے اور جو مسنون منصوص ہی نہ ہو اس کی حقیقت واضح ہے، دُعا کی فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے اور آپ کو اختیار ہے کہ گھنٹوں بیٹھ کر تسبیحات اور دعائیں اپنی اپنی کرتے رہیں، نہ امام کو آپ مجبور کریں نہ امام آپ کو مجبور کرے، نماز ختم ہوگئی، آپ کیوں بیٹھے امام کو دیکھ رہے ہیں؟

بعض جگہ بعد سلام زور سے '' الحمد للہ'' پھر خاموشی طاری ہو جاتی ہے اور آخر میں '' والحمد للہ رب العالمین'' یہ بھی مناسب نہیں، امام اپنی دعا کرے، مقتدی اپنی دعا کریں، بعض جگہ بلکہ اکثر جگہ لمبی لمبی غیر ماثور دعاؤں کو زور زور سے پڑھتے ہیں اور مسبوق (پیچھے نماز پوری کرنے والوں) کی نمازوں میں خلل کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔ عزیز م مولوی محمد شعیب اللہ صاحب نے جس مسئلہ '' **دعاء بعدالصلوۃ الفریضۃ**'' پر بحث فرمائی ہے وہ اپنی جگہ حق وصداقت کی حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ قبول کرے اور ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے

(مولانا) محمد عبدالجمیل خطیب باقوی۔

ناظم جمعیۃ علماء ہند وانمباڑی

تقریظ

حضرت مولانا ذاکرحسن صاحب عبیدی دامت برکاتہم

الحمدلله و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد: میں نے رسالہ ”**التحقیق الحری فی ندب الدعاء الخفی**“ مصنفۂ مولانا محمد شعیب اللہ صاحب مفتاحی حرفاً حرفاً سنا، ماشاء اللہ اپنے موضوع پر محققانہ کلام فرمایا ہے، اور میں اس سے دعاء جہری کے بدعت ہونے میں بالکل متفق ہوں اور میرے نزدیک مروجہ دعاء جہری محدثات بدعیہ میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح طریقہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ابوالناصر ذاکرحسن عبیدی غفراللہ لہ

تقریظ

از حضرت استاذی مولانا مفتی مہربان علی صاحب مدظلہ العالی
مفتی وصدر مدرس مدرسہ امداد الاسلام ہرسولی مظفرنگر

الحمدللّٰہ المنعم الجواد الذی لارادّلفضله والصلوة والسلام على سيدالاولين والآخرين سيدنا ومولانامحمدوآله واصحابه الطاهرين وبعد.

إنى قد طالعت الرسالة المساة "القضآء لدفع نزاع الدعآء بين الجهروالخفآء" الفاضل النبيل، البارع الذكى، الفائق على أصحابه "المولوى محمدشعيب الله خان الحنفى" صانه اللّٰه تعالىٰ عن كل شروفساد،فرأيتهاصحيحةً نافعةً نافذةً عنداولى الالباب ومن خالفه فقدخالف اهل السنة بلاارتياب.

فجزاه اللّٰه تعالىٰ خيرالجزآء والثواب فى يوم الحشر والحساب وهواعلم بالحق والصواب واليه المرجع والمآب .

فقط

كتبه االاحقر مهربان على عفى عنه
خادم التدريس بالمدرسة العربيةا مداداالاسلام
هرسولى مظفرنغر، يوبى

(نوٹ: یہ تقریظ حضرت استاذی دامت برکاتہم نے میرے اصل عربی مختصر رسالہ پر تحریر فرمائی تھی اس وقت اس کا یہی نام تجویز ہوا تھا جو حضرت نے تحریر فرمایا ہے۔ پھر میں نے اس کا "التحقیق الحری" نام رکھا جس میں بعض چیزوں کا اضافہ ہوا تھا اور اردو ترتیب میں تو بہت کچھ اضافہ وترمیم ہوئی ہے، جیسا کہ مقدمہ میں بھی اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ فقط محمد شعیب اللہ خان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدمۂ کتاب

الحمدللّٰہ الذی یعلم السر والخفی والصلوۃ والسلام علی افضل اولی النھی وعلی آلہ واصحابہ الذین ھم بدور الھدیٰ.

امابعد: یہ ایک رسالہ ہے جس میں دعاء ''سری'' کا مندوب ومستحب ہونا اور مروجہ دعا ''جہری'' کا بدعت ہونا قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے اوراس کے لکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب بعض جگہوں پر مستحب ومندوب طریقہ پر دعاء سری کی گئی تو عوام میں ایک ہیجان وتردد پیدا ہوگیا، کیوں کہ انہوں نے اس کورواج ورسم کے خلاف پایا، اور بعض جگہ دعاء جہری کواس درجہ تک پہنچادیا گیا ہے کہ جب وہاں طریق مستحب کواختیار کرتے ہوئے سری دعا کی گئی تو فساد ونزاع تک نوبت پہنچی اور بعض جگہ اس امام کو جوسری دعاء کرتا ہے برطرف کردیا گیااورامامت سے الگ کردیا گیا۔

یہ سب حالات دیکھ کر خیال ہوا کہ اس فساد عقیدہ وعمل کی اصلاح نہایت ضروری ہے، چنانچہ راقم السطور نے ایک رسالہ عربی میں لکھ کر حضرت مرشدی مسیح الامت دامت برکاتہم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا، حضرت نے دیکھ کرفرمایا کہ عربی میں نفع عام نہیں ہوتا، اس لیے اس کواُردو میں منتقل کردیا جائے، اسی حکم کی تعمیل میں یہ اُردو رسالہ لکھا جارہا ہے، جوترتیب کے لحاظ سے عربی رسالہ سے مختلف ہے، نیز بعض جگہ مضامین میں ترمیم واضافہ بھی ہوا ہے، اس رسالہ کو میں نے چند فصول پر مرتب کیا ہے۔

فصل اول میں دعاءسری کا استحباب ہونا ثابت کیا گیا ہے، دوسری فصل میں دعاءسری کے فوائد عظیمہ بیان کیے گئے ہیں، تیسری فصل میں ان حضرات کے دلائل کے جوابات دیئے گئے ہیں جو دعاء میں جہر کو افضل قرار دیتے ہیں، چوتھی فصل میں دعاءجہری کے احکام بالتفصیل مذکور ہیں۔

ناظرین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کچھ سہو وخطا پائیں تو دامنِ عفو میں جگہ دے کر اطلاع دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں اور اپنی دعوات صالحہ میں احقر کو فراموش نہ کریں۔

فقط والسلام

حررہ محمد شعیب اللہ خان المفتاحی عفی عنہ

آر مسٹرانگ روڈ، محلّہ بیدواڑی، بنگلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل اول

دعاء میں سر واخفا کا مستحب ہونا

اصل وافضل دعاء میں سر واخفاء ہی ہے بلکہ سر واخفاء تمام ہی اذ کار وادعیہ میں اصل اور مندوب ومستحب ہے اور دعاء سری کا مستحب ہونا، قرآن، حدیث اور اجماع سب سے ثابت ہے، جس سے خود بخود دعاء میں جہر کا غیر مستحب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم دلائلِ شرعیہ ذکر کرتے ہیں۔

دلائلِ قرآنیہ

سب سے پہلے ہم قرآنی دلائل ذکر کرتے ہیں:

(۱)﴿ **اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْیَۃً اِنَّہٗ لاَیُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ** ﴾(اعراف:۵۵)

(اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ سے دعاء کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا)

اس آیت شریفہ میں حضرت حق جل مجدہ نے دعا کا حکم دیتے ہوئے لفظ ''**خفیۃ**'' کو بصراحت ذکر فرمایا ہے، اور بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کلام میں اگر قید مذکورہ ہوتو قید ہی مقصودِ کلام ہوتی ہے، لہٰذا مقصودِ باری تعالی خفیۃً دعاء کا امر کرنا ہے نہ کہ مطلق دعاء کا، پس اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ دعا میں اخفاء مقصود ومطلوب ہے، لہٰذا یہ مندوب واصل ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین الرازی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ:

''اعلم ان الاخفاء معتبرفی الدعاء ویدل علیه وجوہ.

الاول هذه الآیة فانهانزل علی أنه تعالی اَمَرَ بالدعاء مقروناً

بالاخفاء وظاهر الامرِ الوجوبُ فان لم يحصل فلااقل من كونهٖ ندباً.(۱)

(جاننا چاہیئے کہ دعاء میں اخفا کا اعتبار کیا گیا ہے اور اس پر بہت سے دلائل ہیں، اول یہی آیت ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالی نے دعا کا حکم اخفا کے ساتھ ساتھ دیا ہے اور ظاہر امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، اگر وجوب حاصل نہ ہو تو استحباب سے تو کم نہیں)

حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق دعا کا حکم نہیں فرمایا بلکہ اس دعا کا امر فرمایا ہے جو اخفاء کے ساتھ مقرون ہو، اور امر کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ آہستہ دعاء کرنا واجب ہو کیوں کہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور اگر بعض دوسرے دلائل کی وجہ سے وجوب حاصل نہ ہو تو پھر استحباب تو حاصل ہو ہی جائے گا، لہٰذا دعاء کا اخفاء کرنا مستحب و مندوب ہوگا، اس سے کم نہیں ہوگا۔

(۲)﴿وَاِذَاسَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّی فَاِنِّی قَرِیبٌ اُجِیبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾(بقرہ:۱۸٦) (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) اے نبی ﷺ! جب میرے بندے آپ سے سوال کریں میرے بارے میں تو (آپ کہہ دیجئے) کہ میں قریب ہوں میں دعاء کرنے والے کی دعاء جب وہ دعاء کرے قبول کرتا ہوں)

اس آیتِ شریفہ کے شانِ نزول سے پتہ چلتا ہے کہ اس آیت میں بھی دعاء میں آواز پست کرنے اور بلند نہ کرنے کی تلقین و تعلیم کی گئی ہے۔ چنانچہ المحدث البغوی نے معالم التنزیل (۱/۳۷) میں حضرت ضحاک سے اور علامہ سیوطی نے جلالین میں، علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر بیضاوی میں اور حافظ ابن القیم نے بدائع الفوائد میں اس کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ (بعض) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہمارا رب ہم سے

(۱) تفسیر کبیر: ۱۳/۱۴٦

قریب ہے کہ ہم اس سے مناجات وسرگوشی کریں یا ہم سے دور ہے کہ ہم اس کو ندا دیں اور پکاریں؟

اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت حق جل مجدہ کو پکارنے اورآواز دینے کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ قریب ہے۔ لہٰذا مناجات وسرگوشی پر اکتفاء کرنا چاہیئے۔ حافظ ابن القیم اس شان نزول کونقل کرکے فرماتے ہیں:

وَهٰذَايَدُلُّ على إ رشادهم المناجاة فی الدُّعاء لا لِلنّداءِ الذی هو رفع الصوت فإنهم عن هذا سألوا، فأجيبوا بأنَ ربَّهُم تبارکَ وَتعالیٰ قریبٌ لايجتاجُ فی دعائهٖ الی النداء وإنما يسأل مسئلة القريب المناجی لا البعيد المنادی .(۱)

(یہ شان نزول اس پر دلالت کررہاہے کہ صحابہ کرام کو دعاء میں مناجات (سرگوشی) کی تعلیم دی گئی ہے نہ کہ ندادینے کی، جوآواز بلند کرنے کا نام ہے کیونکہ انہوں نے اسی کے بارے میں سوال کیا تھا، پس ان کو یہ بتلایا گیاہے کہ ان کا رب قریب ہے، اس سے دعاء کرنے میں اس کو پکارنے یا چلاّنے کی ضرورت نہیں، لہذا اس سے قریب سے سرگوشی کرنے والے کی طرح مانگے نہ کہ دور سے پکارنے والے کی طرح)۔

اس آیت سے بھی دعاء میں اخفاء کا اصل ومستحب ہونا بلکہ مامور بہ ہونا خوب واضح ہوگیا۔

(۳)﴿ذِکرُرَحْمتِ رَبّکَ عَبْدَهٗ زَکَرِیاَّ اِذنادٰی رَبَّهٗ نِدآءً خَفِیاًّ﴾ (مریم: ۲-۳)

(یہ تذکرہ ہے تیرے پروردگار کی اپنے بندے زکریا (علیہ السلام) پر رحمت کا جب کہ انہوں نے اپنے رب کو آہستہ آواز سے پکارا تھا)۔

---

(۱) بدائع الفوائد: ۵۱۹/۳

حضرت زکریا علیہ السلام نے آخری عمر میں جو دعاء کی تھی کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں، میرے بال پک گئے ہیں اور ہڈیاں ضعیف وناتواں ہوچکی ہیں۔ یہ دعاء جیسا کہ حضرت حق جل مجدہ نے تشریح فرمائی ہے، اخفاء اور پست آواز سے کی تھی۔

یہ اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ اس دعاء سری کا مقام ومدح وتعریف میں تذکرہ فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ دعاء کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب وپسند ہے۔ لہٰذا دعائے خفی وسری مستحب ہوگی۔

ایک شبہ اور جواب:

اگر کسی کو شبہ ہو کہ آیت میں کہا گیا ہے کہ حضرت زکریاؑ نے نداء دی، جو اس طرف مشیر ہے کہ دعاء میں آواز بلند کی گئی تھی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرف کے لحاظ سے اگرچہ نداء اس دعاء کو کہتے ہیں جس میں آواز بلند کی گئی ہو، لیکن لغت کے لحاظ سے لفظ نداء عام ہے اور مطلق دعاء کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے کہا جائے گا کہ یہاں لفظ نداء لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ نداء کو خفی سے موصوف ومقید کیا ہے، ورنہ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ندا بمعنی عرفی لے کر اس کو خفی سے مقید بھی کریں۔ (فافہم)

دلائل حدیثیہ

قرآن کے بعد نمبر ہے احادیث وراویات کا، اور ان میں بھی دعاء وذکر کے خفی وسری ہونے کو مستحب وافضل بتایا گیا ہے۔

(۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب بلند آواز سے تکبیر کہی اور اللہ کو پکارا تو نبی کریم ﷺ نے اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

اِرْبعوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِنَّکُمْ لَاتَدْعُوْنَ اَصَمَّ ولَا غَائِباً اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَ

سَمِیْعاً اَقْرَبَ اِلٰی اَحَدِکُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِہٖ (او کماقال)(۱)

(اپنی جانوں پر رحم کرو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ تم تو سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو جو تم سے ہر ایک کے اس سے زیادہ قریب ہے جتنا کہ کوئی اپنی سواری کی گردن سے قریب ہوتا ہے)

اس حدیث میں صحابہ کرام کو بلند آواز سے تکبیر کہنے پر جو کہ دعاء ہی ہے نبی کریم ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے اور اس پر کراہت کا اظہار فرمایا۔ معلوم ہوا کہ دعاء میں آواز کا بلند کرنا محبوب نہیں بلکہ آواز کا پست کرنا ہی افضل ومحبوب ہے۔

ایک شبہ کا جواب:

اگر کوئی کہنے لگے کہ نبی کریم ﷺ کا قول ''اِرْبَعُوْا علیٰ انفسِکُمْ'' سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نہی شفقت ہے تو اس سے جہر کی کراہت وعدم مشروعیت کیسے لازم آئی؟ تو میں کہتا ہوں کہ یہ اگر نہی شفقت ہے تو بلاشبہ جہر کی عدم مشروعیت اس سے ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہم اس کی عدم مشروعیت کے قائل ومدعی ہیں بلکہ ہم جہر کی مشروعیت وجواز پر آگے مستقل فصل میں بحث بھی کریں گے، لیکن یہاں اس فصل میں ہمیں صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ جہر ملطقاً افضل ومستحب نہیں بلکہ واقعہ اس کے خلاف ہے اور اس حدیث سے ہمیں صرف اس قدر بات اخذ کرنی ہے کہ اگر جہر مطلقاً افضل ہوتا اور شرع میں کوئی درجہ استحباب وندب رکھتا تو بطور شفقت ہی سہی اس سے منع کیسے کیا جاتا، کیونکہ ایسی چیز سے منع کرنا گویا ایک اچھی چیز سے روکنا ہے حالانکہ ایسا ممکن نہیں۔

حاصل یہ کہ نہی شفقت بھی اسی فعل پر ہوگی جو محمود ومستحب فی نفسہٖ نہ ہو۔ پس

---

(۱) بخاری :۲۷۷، مسلم:۴۸۷۴

جہر بالدعاء بھی مستحب نہ ہوگا بلکہ محض جائز ہوگا، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔(فافہم)

(۲) مسند ابویعلی میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ وہ ذکر خفی جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں ستر درجہ دوچند ہوتا ہے۔ جب قیامت میں حق تعالیٰ شانہ تمام مخلوق کو حساب کے لیے جمع فرمائیں گے اور کراماً کاتبین اعمال نامے لے کر آئیں گے تو ارشاد ہوگا کہ فلاں بندہ کے اعمال دیکھو اور کچھ باقی ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو نہ لکھی ہو اور محفوظ نہ ہو تو ارشاد ہوگا کہ ہمارے پاس اس کی ایسی نیکی ہے جو تمہارے علم میں نہیں، وہ ذکر خفی ہے۔(۱)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ جس ذکر کو فرشتے بھی نہ سن سکیں وہ اس ذکر پر جس کو وہ سن لیں ستر درجے بڑھا ہوا ہے۔(۲)

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ بہترین ذکر، ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کا درجہ رکھتا ہو۔(۳)

(۵) ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ کو ذکر خامل سے یاد کیا کرو، کسی نے دریافت کیا کہ ذکرِ خامل کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ مخفی ذکر۔(۴)

(۶) حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے: بہترین ذکر ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے۔(۵)

ان پانچ روایات کو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب فضائل ذکر میں نقل فرمایا ہے اور آخری روایتِ عبادۃ کے بارے میں

---

(۱) مسند ابویعلی: ۱۸۲/۸ (۲) ابن ابی شیبہ: ۸۵/۶، شعب الایمان: ۴۰۷/۱ (۳) صحیح ابن حبان: ۹۱/۳، موارد الظمآن: ۵۷۷/۱، ابن ابی شیبہ: ۸۴/۷ (۴) کتاب الزہد ابن مبارک: ۵۰/۱، الجامع الصغیر: (۵) مسند احمد: ۱۸۰/۱، مسند ابویعلی: ۸۱/۲، شعب الایمان: ۲۹۷/۷

لکھا ہے کہ ابن حبان اور ابو یعلی نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ان سب روایات سے بھی ذکر خفی کا افضل وبہتر ہونا ثابت ہوتا ہے۔اس میں اگر چہ ذکر کا بیان ہے مگر یہ لفظ دعاء کو بھی شامل اور عام ہے بلکہ ایک ابن حبان کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ ''خیر الدعاء الخفی'' (کہ بہترین دعاء خفی وسری ہے)(۱)

(۷) روی ابن السنی عن ابی امامة رضی اللّٰه عنه مادنوتُ مِن رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِی دُبُرِ صَلوٰةٍ مَکتوبةٍ وَلاتَطوّعٍ اِلّاسَمِعْتُه یقول اَللّٰهُمّ اغفِرلِی ذُنُوبِی وَخَطَائِی کُلَّهَااَللّٰهُمَّ انعِشْنِی وَاجْبُرْنِیْ وَاهْدِنِی لِصَالِحِ الاعمالِ والاخلاقِ اِنهٗ لایهدِی لِصَالِحِهَاوَلَایَصْرِفُ سَیِّهَااِلَّا اَنْتَ۔(۲)

(محدث ابن السنی نے حضرت ابوامامۃؓ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا میں جب بھی فرض یا نفل نماز کے بعد آنحضرت ﷺ سے قریب ہوا تو ہمیشہ یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! میرے گناہ اور تمام خطائیں معاف فرمادیجئے۔اے اللہ! مجھے بلند کیجئے اور میرے نقصان کی تلافی فرمائیے اور مجھے عمدہ اعمال واخلاق کی ہدایت فرمائیے کیوں کہ اچھے اعمال واخلاق کی طرف آپ کے سوا کوئی ہدایت نہیں کرسکتا۔اور نہ برے اعمال واخلاق کو سوائے آپ کے کوئی ہٹا سکتا ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد آہستہ دعاء فرماتے تھے، ورنہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو قریب سے سننے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اس حدیث میں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ یہ آپ کا دعاء سری کرنا فرض ونفل ہر دو نمازوں کے بعد تھا، صرف سنن ونوافل کے بعد کا عمل نہیں۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ صحابی ابوامامہؓ صرف ایک وقت کا یا کبھی کسی وقت کا نہیں بلکہ آپ کا استمراری ودوامی فعل نقل کررہے ہیں کہ جب بھی میں قریب ہوکر سنا تو آپ یہ پڑھتے ہوتے۔

(۱) اس حدیث کو بحوالہ بحر الرائق فتح الملہم :۵۲/۲، میں نقل کیا گیا ہے (۲) معجم کبیر طبرانی :۲۰۰/۸

معلوم ہوا کہ یہ آپ کا امر اتفاقی نہیں بلکہ دوامی عمل ومعمول تھا۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع الفوائد میں اور امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں حضرت حسن بصری (۱) رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے کہ:

قال الحسن بین دعوۃ السر و دعوۃ العلانیۃ سبعون ضعفاً. (۲)

(حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علانیہ دعاء اور سری دعاء کے درمیان ستر درجوں کا فرق ہے)

حضرت حسن بصریؒ کی شخصیت سے کون ناواقف ہوگا، سبھی جانتے ہیں کہ آپ تابعی اور ایک بلند پایہ محدث اور وقیع النظر فقیہ تھے۔ان کا بیان ہے کہ دعاء سری میں ستر درجے زیادہ فضیلت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مراتب کا فرق و درجات کا تفاوت کوئی رائے اور قیاس کی چیز نہیں ہے بلکہ یہ امر غیر معقول محض نقل سے متعلق ہے۔اس لیے حسن بصریؒ جو کہ سب کے نزدیک ثقہ ہیں، اپنی طرف سے تو یہ نہیں کہہ سکتے بلکہ کسی صحابی سے سن کر ہی کہہ سکتے ہیں اور صحابی بھی اس کو اپنی جانب سے نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ بھی جناب رسول اللہ ﷺ سے سن کر کہہ سکتے ہیں۔اس بنا پر یہ حکم کہ دعاء سری و جہری میں ستّر درجوں کا تفاوت ہے، مرفوع حدیث کے حکم میں ہوگا کیونکہ صحابہ کرام کے غیر قیاسی اقوال احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہوتے ہیں جیسا کہ محدثین واصولیین نے

(۱) حافظ ابن قیم اور امام رازی نے اس جگہ مطلقاً بلا نسبت حسن لکھا ہے اور علماء نے فرمایا ہے کہ کتب تفسیر یا ابحاث تفسیریہ میں حسن کا اطلاق کیا جائے تو مراد حسن بصریؒ ہوتے ہیں ۔اس لیے ہم نے یہاں حسن بصریؒ لکھ دیا ہے، پھر اس کے بعد جب معالم التنزیل للمحدث البغوی ۲۴/۸ دیکھا تو اس میں امام بغویؒ نے اس قول کو حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے۔پس اگر یہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے تو پھر اس کے وقوع حکمی ہونے میں کوئی کلام نہیں جب کہ اس کے بعد کے راویوں کا حال معلوم ہو جائے۔فقط (۲) بدائع الفوائد: ۳/۵۱۷ و تفسیر کبیر: ۱۴/۱۰۷

تصریح کی ہے، لیکن چونکہ یہاں صحابی کا نام مذکور نہیں، اس لیے یہ حدیث مرسل کے حکم میں ہوگی، کیونکہ مرسل اس روایت کو کہتے ہیں جس میں تابعی بلاواسطہ صحابی کے رسول اللہ ﷺ سے روایت کریں۔ چانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے ایک تابعی حضرت موسیٰ بن طلحہؒ کا ایک غیر مدرک بالقیاس قول نقل کرکے اپنی کتاب التلخیص الحبیر میں فرمایا کہ:

قلت هذاموقوف علیٰ موسیٰ بن طلحةؒ ولكنّه فی حكم المرفوع لان هٰذا لایقال من قبل الرای فهوعلی هذامرسل (۱)

(میں کہتا ہوں کہ یہ (قول) موسیٰ بن طلحہ پر موقوف ہے لیکن یہ مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ بات رائے اور قیاس سے نہیں کہی جاسکتی، پس اس بنا پر یہ مرسل ہے)

مطلب اس عبارت کا وہی ہے جو اوپر کی سطور میں ہم نے وضاحت سے لکھا ہے۔ پس یہ حسن بصریؒ کا قول بھی مرسل حدیث کے حکم میں ہوگا اور مرسل کی حجیت کے سب قائل ہیں سوائے امام شافعیؒ کے اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی اگر مرسل دوسرے مرفوعات و مسندات سے یا آیتِ قرآنی سے یا فتاویٰ صحابہ سے مؤید ہو تو مقبول و قابل احتجاج ہو جاتا ہے اور یہاں ایک مرفوع صحیح حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ابوالشیخ نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ ایک سری دعاء ستّر جہری دعاؤں کے برابر ہے (کذافی العزیزی: ۲/۲۹) اس طرح جو روایات اوپر گذری ہیں وہ بھی اس قول کی تائید کرتی ہیں، پس یہ مرسل بھی سب کے نزدیک قابل احتجاج ہے۔ البتہ اتنی بات رہ جاتی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے بعد رواۃ کون ہیں اور کیسے ہیں اس کی مجھے تحقیق نہیں۔ پس اگر ان رواۃ کا ثقہ ہونا معلوم ہو جائے تو یہ روایت مرفوع حکمی مرسل ہوگی۔

---

(۱) التلخیص الحبیر: ۱/۳۴

ایک سوال اور جواب:

یہاں کوئی یہ سوال کرسکتا ہے کہ اوپر کے بعض دلائل میں دعاء کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ تکبیر و ذکر اللہ کا بیان ہے اور ذکر ہی کے اخفاء کا استحباب ثابت ہوتا ہے نہ کہ دعاء سری کا تو پھر دعوی اور دلیل میں مطابقت نہ ہوئی کہ دعویٰ تو ہے دعاء سری کا مستحب ہونا اور دلیل میں ذکر سری کا مستحب ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعاء بھی دراصل ایک ذکر ہی ہے کیونکہ دعاء کے معنی طلب کرنے یا پکارنے کے ہیں اور دعاء میں اللہ کو پکارا جاتا ہے اور ذکر میں بھی اللہ کو پکارا جاتا ہے اور اس کو طلب کیا جاتا ہے، اس لیے ذکر کو دعاء کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ''**افضل الدعاء الحمد لله** ''یعنی اللہ کی تعریف کرنا سب سے افضل دعاء ہے۔ اس میں آپ نے الحمدللہ کو دعاء بلکہ افضل دعاء فرمایا ہے۔ حالانکہ الحمدللہ محض ثناء وذکر ہے۔

حافظ ابن القیم اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ حمد محبت کو متضمن ہے کہ کسی کی تعریف اس سے محبت ہی کی وجہ سے کی جاتی ہے اور محبت طلب محبوب کے اعلیٰ انواع واقسام میں سے ہے، لہٰذا حمد کرنے والا اپنے محبوب کا طالب ہے، اس لیے حمد کرنے والے کو داعی کہنا زیادہ مناسب ہے اس کو داعی کہنے سے جو اپنی حاجت طلب کررہا ہے، پس تعریف کرنے والا، ذکر کرنے والا بھی دعاء کرنے والا ہی ہے اور ذکر دعاء ہی ہے۔ (۱)

غرض یہ کہ ذکر تو افضل دعاء ہے ،جب افضل دعاء کا حکم معلوم ہوگیا کہ سرواخفاء سے ہونا چاہئے تو دیگر ادعیہ کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ وہ بھی اخفاء سے ہونا چاہئے، یہی مستحب ہے۔

---

(۱) بدائع الفوائد: ۵۲۱/۳

اجماع ائمہ امت:

دعاء سری کا مستحب وافضل ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہوگیا۔ اس بنا پر علماء امت وائمہ ملت خصوصاً ائمہ اربعہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ دعاء سری وخفی ہی افضل ومستحب ہے، اس میں اختلاف صرف ابن حزم ظاہریؒ کا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم شرح مسلم میں علامہ ابن بطالؒ سے نقل فرمایا ہے۔

اَصۡحَابُ الۡمَذَاهِبِ الۡمُتبعةِ وَغَيۡرُهُمۡ مُتَّفِقُوۡنَ عَلیٰ عَدَمِ اِسۡتِحۡبَابِ رَفۡعِ الصَّوۡتِ بِالتَّكۡبِيۡرِ وَالذِّكۡرِ حاشَاابن حزمؒ. (۱)

(مذاہب (اربعہ) والے جن کی اتباع واقتداء کی جاتی ہے، وہ اوران کے علاوہ دوسرے حضرات اس پر متفق ہیں کہ تکبیر اور ذکر میں آواز بلند کرنا مستحب نہیں ہے سوائے ابن حزمؒ کے)

اورعلامہ نوویؒ شارح مسلم نے بھی اپنی شرح مسلم میں ابن بطال سے اسی طرح نقل کیا ہے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے رسالہ استحباب الدعوات میں فرماتے ہیں:

اِعۡلَمۡ اَنَّهٗ لاخلافَ بَيۡنَ مَذَاهب الۡاَرۡبَعَةِ فِی نُدُب لِدُعَاءِ سرًّا وَالفذ. (۲)

(جاننا چاہئے کہ اس بات میں کہ امام ومنفرد دونوں کے لیے دعاء سری مندوب ومستحب ہے، چاروں مذاہب میں سے کسی کا اختلاف نہیں)

اورحضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا علیہ الرحمۃ اپنی کتاب الابواب والتراجم میں نقل فرماتے ہیں کہ:

ثمّ رفع ُ الصّوتِ بالذّكرلمْ يَقُلُ بِهٖ اَحَدٌ مِنَ الائمة والفقهاء الّا ابن حزم. (۳)

---

(۱) فتح الملہم :۲/۱۷(۲) استحباب الدعوات مندرجہ امداد الفتاوی:۱۰۸(۳)الابواب والتراجم: ۲/۳۰۴

(پھر ذکر میں آواز بلند کرنا ائمہ اور فقہاء میں سے کسی کا قول نہیں سوائے ابن حزم کے)

ان نقول معتبرہ سے معلوم ہوا کہ فقہاء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ اور ان کے علاوہ دیگر علماء وائمہ سب کے نزدیک دعاء سری ہی مستحب ہے اور جہر کے استحباب کا سوائے علامہ ابن حزم ظاہریؒ اور بعض حضرات کے کوئی قائل نہیں تو یہاں اگرچہ اجماع امت کا تحقق تو نہیں لیکن اس میں کیا شک کہ جمہور ائمہ اور خصوصاً مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سری ہی مستحب ہے۔

فصل ثانی

دعاء سری کے فوائد

حافظ ابن القیمؒ نے بدائع الفوائد میں دعاء سری کے متعدد فوائد بیان کیے ہیں جن کو مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے **التعلیق الصبیح** میں نقل فرمایا ہے۔ہم یہاں پر ان کی تلخیص کرتے ہیں۔

پہلا فائدہ:

دعاء سری میں پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ یہ اعظم ایمان ہے۔ کیونکہ دعاء سری کرنے والا (بزبانِ حال گویا یوں کہتا ہے) کہ وہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دعاء خفی کو بھی سنتا ہے اور وہ اس جیسا نہیں جس نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ہم زور سے دعاء کریں تو اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور اگر ہم اخفاء کریں تو نہیں سنتا۔ حاصل یہ کہ دعاء سری کرنا گویا اللہ کی صفات پر ایمان کی پختگی کی علامت ہے،اس لیے یہ اعظم الایمان ہے۔

دوسرا فائدہ:

یہ ہے کہ اخفاء اور سرادب و تعظیم میں بڑھا ہوا ہے، اسی لیے بادشاہوں سے

بلند آواز سے خطاب وسوال نہیں کیا جاتا۔ البتہ بادشاہوں کے پاس اس قدر اخفاء کیا جاتا ہے کہ وہ اس کو سن سکیں۔ جو شخص ان کے سامنے آواز بلند کرتا ہے وہ ان کے غیض وغضب کا نشانہ بنتا ہے اور خداوند تعالیٰ تو دعاء خفی واخفی کو بھی سنتا ہے تو اس کے بارگاہِ عالی ودربار اقدس میں سوائے اخفاء واسرار کے کوئی چارہ نہیں ، کیونکہ آواز بلند کرنا ادب اور تعظیم کے خلاف ہے۔

تیسرا فائدہ:

یہ ہے کہ اخفاء کرنا، آہ وزاری اور خشوع میں کہ یہی دعاء کی روح اور مغز ہے مبالغہ پیدا کرتا ہے اور خشوع وتضرع کرنے والا دراصل اس مسکین وذلیل کی طرح سوال کرنے والا ہے جس کا قلب ٹوٹا ہوا ہو اور اعضاء نڈھال ہو چکے ہوں اور اس کی آواز دب چکی ہو حتیٰ کہ اس کی وجہ سے اس کی ذلت ومسکنت ، انکسار وتضرع اب اس حد تک پہنچنے کے قریب ہو کہ اس کی زبان بھی منکسر ہو جائے اور وہ بول نہ سکے، پس اس کا قلب تو سائل ہے اور زبان ساکت ہے۔ جب دعاء کرنے والے کی یہ حالت ہوتی ہے تو بھلا اس حالت کے ساتھ وہ آواز بلند کیسے کر سکتا ہے جب کہ حالت تخشع وتضرع سے زبان ہی ساکت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ دعاء کرنے والا ایسے دعاء کرے جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا ہے پھر خود ہی جہر کرنا دشوار ہو جائے گا اور اگر جہر کرے گا تو روحِ دعاء یعنی خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوگا۔

چوتھا فائدہ:

یہ ہے کہ اخفاء کرنا اور اِسرار کرنا اخلاص میں مبالغہ پیدا کرتا ہے کہ ریاء کا اس میں اندیشہ نہیں یا بہ نسبت جہر کے کم ہے۔ اور اخلاص مطلوب ومامور بہ ہے تو اخفاء بھی کہ اس کا ذریعہ ہے مطلوب ہوا۔

پانچواں فائدہ:

یہ ہے کہ اخفاء وسر سے دعاء میں جمعیت قلب بھی پیدا ہوتی ہے، برخلاف اس کے آواز کا بلند کرنا قلب کو منتشر کر دیتا ہے اور دل کو بانٹ دیتا ہے۔

چھٹا فائدہ:

جو کہ نکات عجیبہ میں سے ہے یہ ہے کہ اخفاء کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دعاء کرنے والا اللہ تبارک وتعالیٰ سے قریب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے اس طرح سوال کر رہا ہے، جیسے ایک قریب دوسری قریب چیز سے سوال کرتا ہے اور ایک دوست دوسرے دوست سے مناجات وسرگوشی کرتا ہے، اس طرح نہیں جیسے ایک غیر دوسرے غیر سے منادی کرتا ہے۔ پس جس کا قلب اس قرب خداوندی کا استحضار کرے گا اور اس کا تصوّر رلائے گا وہ حتی الامکان اخفاء ہی کرے گا اور آواز بلند کرنے کو غیر مستحسن جانے گا۔ پس یہ ایک خاص قرب ہے عام قرب نہیں جو سب (مومن وکافر) کو حاصل ہے (لہٰذا جو شخص دعاء میں جہر کرتا ہے اس کو یا تو یہ قرب حاصل نہیں یا اس قرب کا استحضار نہیں)

ساتواں فائدہ:

اخفاء کرنے میں یہ ہے کہ زبان ملال اور اعضاء وجوارح تعب وتکان محسوس نہیں کرتے جس سے دیر تک دعاء ومناجات میں لگے رہنا ممکن ہے، بخلاف اس کے بلند آواز سے دعا کرنے والا جلد تھک جاتا ہے جس سے آگے ہمت ٹوٹ جاتی ہے اور وہ محروم رہ جاتا ہے۔

آٹھواں فائدہ:

یہ ہے کہ اخفاء آدمی کو ہمت توڑنے والی، تشویش میں مبتلا کرنے والی اور ہمت کو پست کرنے والی چیزوں سے دور رکھنے میں مفید ہے کیونکہ جب وہ اخفاء کرتا ہے تو

اس کو کوئی نہیں جانتا لہٰذا تشویش وغیرہ بھی اس کو لاحق نہ ہوگی اور جب جہر کرے گا تو جنات اور انسانوں کی شریر ارواح اس کو جان کر اسے تشویش میں ڈال دیں گی اور ان ارواح کا تعلق ہی اس شخص کی ہمت کو بانٹ دیتا ہے۔ پس (توجہ کی کمی کی وجہ سے) دعاء کا اثر ضعیف ہو جائے گا اور اس کو دیکھ کر اس کی ہمت ٹوٹ جائے گی اور یہ دعاء ہی سے رک جائے گا، بخلاف اس کے جب اخفاء کرے گا تو اس مفسدہ سے مامون ہوگا۔

نواں فائدہ:

جو کہ خاص طور پر سالکینِ طریقت کے لیے انمول جوہر اور نسخۂ بے بہا ہے یہ ہے کہ سب سے بڑی نعمت توجۂ الی اللہ اور اللہ کی عبادت اور دنیا سے منقطع ہو کر اس کی طرف ملتفت و متوجہ ہونا ہے اور یہ سب باتیں دعاء میں ہوتی ہیں، کہ بندہ سب سے الگ ہو کر خدائے عز وجل کی طرف باشتغال کلی متوجہ ہوتا ہے تو دعاء کرنے والے کو یہ نعمت و دولتِ عظیم حاصل ہے جو ساری نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور ظاہر ہے کہ ہر نعمت کے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی حاسد ہوتے ہیں تو بھلا اس عظیم ترین عبادت کے حاسد کیوں نہ ہوں گے۔ لہٰذا سلامتی کی بات یہ ہے کہ حاسد سے نعمت کو چھپایا جائے اور اس سے اخفاء کیا جائے۔ اسی لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کا خواب سن کر فرمایا تھا کہ تمہارے بھائیوں سے اس خواب کو بیان نہ کرنا کہ کہیں حسد کرنے لگیں۔ حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں "کتنے صاحب قلب و صاحب حال تھے کہ جنھوں نے اپنے احوال کو دوسروں سے بیان کر دیا اور انہیں اس کی خبر کر دی تو غیروں نے ان احوال و کیفیات کو سلب کر لیا اور یہ لوگ ہاتھ ملتے رہ گئے۔ پس یہ دعا جس کے اخفاء کا حکم ہے، بڑے خزانوں میں سے ہے جس کو حاسدین کی آنکھوں سے چھپا کر رکھنا چاہیے، اس لیے دعاء خفی و سری ہونی چاہیے۔

یہ مختلف فوائد ہیں جن کو ہم نے علامہ ابن القیمؒ کے کلام سے اخذ کر کے اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی دعاء سری میں بے شمار فوائد ہیں جو انسان غور کرے تو خود سمجھ میں آسکتے ہیں۔

فصل ثالث

استحبابِ جہر کے دلائل کا جواب

اب ہم ان لوگوں کے دلائل اور اس کے جوابات کو ذکر کرتے ہیں جو دعاء جہری کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔ ان لوگوں میں سے علامہ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ ہم یہاں ان کی اصل دلیل کے علاوہ بعض ان دلائل کو بھی معرضِ بحث میں لائیں گے جو ان حضرات کے مستدل بننے کا احتمال بھی رکھتے ہیں۔

استحبابِ جہر کی پہلی دلیل:

عَنِ ابْنِ عَبَّاس ٍ رَضيِ اللّٰه عنه قاَلَ كنتُ اَعُرِفُ اِنقِضَاءَ صَلوٰةِ رَسُوُلِ الله ﷺ بالتَكُبِيرِ. (۱)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز سے فراغت کو تکبیر سے پہچانتا تھا)

علامہ ابن حزم ظاہریؒ اور بعض لوگوں نے اس حدیث سے جہر کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس ہی سے بخاری شریف میں نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا، جب کہ لوگ فرض نماز سے فارغ ہوتے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر وذکر ودعاء میں جہر مستحب ہے۔

---

(۱) مشکوۃ: ۸۸

استدلال مذکور پر نظر:

مگر اس حدیثِ ابن عباس سے استحباب جہر پر استدلال محل نظر اور مخدوش ہے کیونکہ اس میں سنیت و استحباب کے قرائن و آثار معلوم نہیں ہوتے کیونکہ سنیت کے لیے مع ترکہ احیاناً ثبوت استمرار شرط ہے اور استحباب میں اگرچہ استمرار و دوام شرط نہیں۔ مگر اس قدر ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فعل کے ساتھ یا بلا فعل اس پر آپ سے ترغیب منقول و ثابت ہو۔ جیسا کہ کتب فقہ بحر الرائق، درمختار مع ردالمحتار وغیرہ میں اس کی وضاحت اور تحقیق ہے اور اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوا ہے کہ عہد نبی کریم ﷺ میں جہر بالذکر ہوا ہے اور یہ بات کہ آپ کا یہ عمل استمراری تھا یا صحابہ کا فعل دوامی تھا اس پر نہ تو خود حدیث مذکور دلالت کرتی ہے اور نہ ہی خارج سے اس کی تائید ہوتی ہے اور لفظ وصیغہ ''کان'' سے استمرار و دوام پر استدلال ممکن نہیں اس (لفظ کان) کی تحقیق کچھ آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔

پس حاصل یہ ہے کہ سنیت کے لیے استمرار ضروری ہے اور یہ ثابت نہیں اور استحباب کے لیے کم از کم ترغیب ضروری ہے، حالانکہ جہر پر ترغیب تو در کنار اس کے خلاف سر و اخفاء پر ترغیب کا اوپر ثبوت ہو چکا جس سے خود ہی اس کی عدمِ ترغیب ثابت ہوتی ہے، لہٰذا اس سے نہ سنیت ثابت ہوتی ہے اور نہ استحباب۔

پھر اگر یہ بات سنت یا مستحب تھی تو سوال یہ ہے کہ کیا یہی ابن عباسؓ جو اس فعلِ رسول ﷺ و فعلِ صحابہ کے ناقل ہیں اس پر عامل تھے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت ابن عباسؓ یہ بات نقل کر رہے تھے اس وقت نہ آپ جہر پر عامل تھے اور نہ ہی دیگر صحابۂ کرام اس کے پابند تھے، ورنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یوں نہ کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ تو ابن عباس کے نزدیک کوئی سنت تھی نہ ہی صحابہ کرام کے نزدیک

اورظاہر ہے کہ صحابہ کرام اگررسول اللہ ﷺ کو دعاء وذکر میں جہر پر استمرار ومداومت کرتے دیکھتے تو کبھی اس کوترک نہ کرتے۔محدث ابن بطال فرماتے ہیں:

وقولُ ابن عباسؓ کَانَ عَلیٰ عهد النبی ﷺ فِیْهِ دَلالَةاَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ یفْعل حِیْنَ حَدَّث بِهٖ لِاَنَّهٗ لَوْکَانَ یَفعل لَمْ یَکُنْ لِقَوْلِهٖ معناًفکان التکبیرُ لَمْ یُوَاظِب الرّسول ﷺ طولَ حیاتهِ. (۱)

(حضرت ابن عباس کے اس قول ''کان علی عہدالنبی ﷺ'' میں اس بات پر دلالت ہے کہ جس وقت انہوں نے یہ حدیث بیان کی ہے تو وہ ایسانہیں کرتے تھے کیوں کہ اگر وہ ایسا کرتے تھے تو اس قول کے کوئی معنی نہ رہیں گے پس تکبیر پر رسول اللہ ﷺ نے پوری عمر مواظبت اور ہمیشگی نہیں فرمائی ہے)

حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس تکبیر کہنے پر مواظبت نہیں فرمائی، اس لیے صحابہ نے بھی اس کوترک فرمایا تھا، ورنہ کیا مجال کے صحابہ اس کوترک کرتے، جب تکبیر کہنے کا ہی یہ حال ہوتو جہر بالتکبیر تو بدرجۂ اولیٰ اور لازمی طور پر ترک ہوا۔پس سنیت واستحباب کہاں سے ثابت ہوا۔اور یہ بات کہ صحابہ کرام نے اس عمل کوترک کردیا تھا اس طرح اس روایت سے مستفاد ہوتی ہے ایسے ہی خارج سے بھی اس کی تائید اوراس کا ثبوت ملتا ہے۔حافظ ابن القیم علیہ الرحمہ۔حضرت حسن بصریؒ (۲) سے صحابہ کرام کا دعاء میں طریق کارنقل فرماتے ہیں:

وَلَقَدْکَانَ الْمَسْلمونَ تَجْهِدُوْنَ فِی الدُّعَاءِ وَمَایُسْمَعُ لَهُمْ صَوت اِنْ کَانَ اِلَّاهَلْساً بَیْنهم وَبَیْنَ رَبّهُمْ وَذٰلِکَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ یَقُوْلُ اُدعُوْارَبّک تضرعاً وخُفیةً. (۳)

---

(۱) فتح الملهم ۲/۱۷۱ (۲) یہاں پرامام بغویؒ نے حسن بن علیؓ لکھاہے (معالم التنزیل ۸/۲۔ (۳) بدائع الفوائد:۳/۵۱۷، کشاف:۲/۱۰۶، تفسیر کبیر:۱۴/۱۰۷

(مسلمان (صحابہ) دعاء کرنے میں بڑی جدوجہد کرتے تھے، اوران کی کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی، بس ان کے اوران کے پروردگار کے مابین ایک گھس گھسی وکاناپھوسی سی ہوتی اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ادعوا ربکم تضرعاً و خفیۃً)

حسن بصریؒ جوصحابہ کرام کے دور میں پلے اورانہیں سے علم وفقہ حاصل کیا یہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کا عمل یہ تھا کہ دعاء میں سوائے ایک آہٹ کے ان کی کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے اس عمل کو سنت نہیں خیال کرتے تھے ورنہ اس کو ہرگز نہ ترک کرتے اور سنت نہ سمجھنا اسی لیے ہوگا کہ نبی کریم ﷺ یہ عمل استمراری نہ تھا۔

یہ تو استدلال پر رد وقدح تھا۔اب ہم یہاں حدیث ابن عباس سے ثابت شدہ جہر کی مصلحت وحکمت پر کلام کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جہر کیوں فرمایا تھا۔

جہر کی وجہ اول:

امام نووی علیہ الرحمہ نے شرح مسلم اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں نقل فرمایا ہے کہ: **حَمَلَ الشافِعِیؒ هٰذاالْحَدِیْث عَلیٰ انّہٗ جَھَرَلیعلمھم صفة الذّکر لاانّہٗ کَانَ دَائِما.** (۱)

(امام شافعیؒ نے اس (ابن عباسؓ کی) حدیث کواس پر محمول کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طریقہ ذکر صحابہ کرام کو سکھانے کے لیے جہر فرمایا تھا، یہ بات نہیں کہ ایسا ہمیشہ ہوتا تھا)

حاصل یہ ہے کہ آپ نے اس لیے جہر فرمایا تھا کہ لوگوں کو طریقۂ ذکرودعاء معلوم ہوجائے، کیونکہ آپ اسی غرض سے مبعوث ہوئے تھے، اگرآپ یہ طریقہ تعلیم نہ فرماتے توامت کو کیسے معلوم ہوتا کہ ذکرودعاء کا طریقہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو کام کسی ضرورت سے کیا جاتا ہے وہ اس ضرورت کے پورا ہوجانے کے بعد ترک

(۱) فتح الملہم: ۱۷۱/۲

کر دیا جاتا ہے، اسی لیے آپ نے بھی اس کو کبھی کبھی کیا ہے، دائماً واستمراراً نہیں اور احادیث میں اس کی نظیریں ملتی ہیں کہ آپ نے اور آپ کے صحابہ بغرض تعلیم ان چیزوں کو بھی بلند آواز سے پڑھا جو بالاتفاق آہستہ پڑھی جاتی ہیں، تا کہ لوگوں کو ان چیزوں کا علم ہو جائے۔ مثلاً

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں (والسماء والطارق) اور (والسماء ذات البروج) اور اس کے مانند سورتیں پڑھتے تھے۔ (۱)

ظاہر ہے کہ ان صحابی کو ان سورتوں کے پڑھنے کا علم، ظہر اور عصر میں آپ کو پڑھتے ہوئے سنکر ہی ہوا ہوگا اور سننا بلا جہر کے ناممکن، حالانکہ ظہر وعصر میں اخفاء واسراء احناف کے نزدیک واجب اور شوافع کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔

(۲) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کبھی رسول اللہ ﷺ ہمیں ظہر وعصر میں آیت سنا دیتے تھے (۲)

اس میں بھی تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر وعصر میں کبھی کبھی زور سے پڑھتے تھے۔ کیونکہ سنانا جہر کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

(۳) دارقطنی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ اسود کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نماز شروع فرماتے تو (سُبْحَانَکَ اَللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَااِلٰہَ غَیْرُکَ) کہتے اور یہ ہم کو سناتے اور ہمیں تعلیم دیتے تھے۔ (۳)

یہ روایتِ عمر رضی اللہ عنہ مسلم شریف میں بھی ہے جس کو منقطع قرار دیا گیا ہے اس لیے ہم نے دارقطنی کے حوالہ سے بسند صحیح نقل کیا ہے اس میں حضرت عمرؓ سے ثناء کا زور سے پڑھنا ثابت ہے حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں بلکہ سب اس کو تعلیم پر محمول کرتے ہیں۔

(۱) طحاوی: ۱/۱۰۱ (۲) طحاوی: ۱/۱۰۱ (۳) اخرجہ دارقطنی: ۳۰۰ نحوہ فی مسلم: ۱/۱۷۲

(۴) بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ زور سے پڑھی اور نسائی میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے سورہ فاتحہ اور دوسری ایک سورہ کو جہر سے پڑھا۔(۱)

حالانکہ جن ائمہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، ان کے نزدیک بھی جہر کرنا درست نہیں بلکہ اس کو آہستہ پڑھنا چاہئے، پس یہاں بھی اس کو تعلیم پر محمول کیا جاتا ہے۔

افادہ وانتباہ:

اس جگہ یہ بات عرض کردینا مناسب ہے کہ اس حدیث ابن عباسؓ سے جو یہ معلوم ہورہا ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہئے۔ یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے اور احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنا چاہئے۔ یعنی یہ پڑھنا سنت نہیں ہے۔ اور کتب فقہ میں احناف کے مسلک پر مفصل کلام اور ساتھ ہی اس کے دلائل مذکور ہیں۔ جس کو دیکھنا ہو وہ ان کی مراجعت کرے۔ ہم یہاں صرف حضرت ابن عباسؓ کی اور اس روایت کے یہاں سامنے آجانے کی وجہ سے اس کا ایک جواب دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حدیث سے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اگرچہ ثابت ہے لیکن محض ثبوت سے چوں کہ سنیت کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے استمرار ومداومت شرط ہے، اس لیے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ بھی سنت نہ ہوگی کیونکہ اس پر بھی استمرار ومداومت ثابت نہیں البتہ جواز ثابت ہوگا اور احناف اس کے جواز کے قائل ہیں، بلکہ بعض علماء احناف نے بطور دعاء سورۂ فاتحہ پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ مگر بطور تلاوت پڑھنا درست نہیں ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی امالی فیض الباری میں ہے کہ:

---

(۱) نسائی: ۲۸۱

یہ (یعنی قرأت سورہ فاتحہ) ہمارے نزدیک بھی جائز ہے جیسا کہ امام قدوری کی کتاب التجرید میں لکھا ہے اور یحییٰ بن منقاری زادہ نے جو علامہ شرنبلالیؒ کے استاذ ہیں اپنے رسالہ الاتباع فی مسئلہ الاستماع میں اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ مگر یہ ہمارے نزدیک مثل ثناء کے ہوگا نہ کہ مثل قرأت کے۔ (۱)

حاصل یہ ہے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا محض جائز ہے یا اگر مستحب بھی ہے تو وہ بطور دعاء کے پڑھا جائے نہ کہ بطور قرأت۔ اور چوں کہ عوام ان دو باتوں میں فرق نہیں کرتے بلکہ عام طور پر فاتحہ کو بطور تلاوت ہی پڑھتے ہیں، اس لیے اس سے منع کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ خاص ابن عباسؓ کے فعل سے اگر شوافع استدلال کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے مضر ہے کیونکہ ابن عباسؓ نے تو سورۂ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورت بھی تلاوت کی ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں، تو شوافع کو چاہئے کہ وہ اس کو بھی اختیار کریں۔

الغرض یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے جس میں زیادہ کھود کرید کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک اپنے دلائل اپنے پاس رکھتا ہے۔ ہم یہاں پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا یک فتویٰ ملخصاً نقل کرتے ہیں جس سے انشاء اللہ العزیز ناظرین کو کسی قدر تشفی ہو جائے گی۔

سورہ فاتحہ کے بارے میں حکیم الامت کا فتویٰ

جاننا چاہئے کہ نماز جنازہ میں سنت کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ کبھی کبھی بیان جواز کے لیے یا دیگر مصالح شرعیہ کے لیے شارع علیہ السلام نے وہ فعل کیا ہو۔ اس معنی کر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے سنت ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے معنی سنت کے یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بقصد احسان یعنی اچھا

(۱) امالی: ۲/۴۸۷

سمجھ کروہ کام کیا ہواور سنت کا اکثر اطلاق اسی دوسرے معنی پر ہوتا ہے۔اسی معنی کر نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے سنت ہونے میں کلام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نفی فرماتے ہیں اور دیگر فقہاء اس کے ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ علاوہ بریں ابن عمرؓ جن کو سنت نبویؐ کی بہت تلاش رہتی تھی اوران کو اتباع سنت کا شدید اہتمام رہتا تھا، نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، جیسا کہ موطا میں امام مالک نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت بھی امام ابوحنیفہؒ کی مؤید ہے۔ نیز حدیث ابن ماجہ کے الفاظ (**فأخلصوا للّٰہ الدعاء**) بھی امام صاحب کی رائے کے موید ہیں کہ نماز جنازہ دراصل دعاء ہی ہے اور''**اخلصوا**'' میں کسی قدر لطیف اشارہ ہے کہ غیر دعاء کو دعاء کے ساتھ نہیں ملانا چاہئے۔ لہٰذا اگر ثناء ودعاء کی غرض سے سورۂ فاتحہ پڑھیں تو اجازت دیں گے اور شارع علیہ السلام کے فعل کو اسی پر محمول کرلیں تو بہت مناسب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مجتہد کا شرحِ صدر ابن عمرؓ کی رائے اور حدیث کا لفظ ''اخلصوا'' حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے کا موید ہے۔ لہٰذا کتنا اچھا ہے کہ اگر پڑھیں تو بلا التزام بہ نیت دعاء پڑھیں تا کہ حدیث پر بھی عمل ہوجائے اور ائمہ مجتہدین کے اختلاف سے خروج بھی ہوجائے۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی۔ (۱)

اوپر جو نظائر پیش کیے گئے ہیں، ان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بسا اوقات کسی غرض سے ان چیزوں کو بھی جو باتفاق آہستہ ہوجانا چاہئے، بلند آواز سے کیا جاتا ہے۔ علماء احناف نے احادیث سے ثابت جہر بسم اللہ کو اور جہر آمین کو اسی قبیل سے شمار کیا ہے جیسا کہ علامہ کشمیریؒ نے اپنے رسالہ میں تصریح کی ہے۔ (۲)

ایک شبہ کا ازالہ:

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب رسول اللہ ﷺ سے جہر ثابت ہے اور آپ نے یہ جہر

(۱) امداد الفتاوی: ۱/۳ ۲۳ تا ۲۳۴ (۲) فصل الخطاب: ۳۱

بغرضِ تعلیم کیا ہے تو پھر اس کی تعلیم میں خود جہر بھی داخل ہے۔لہٰذا جہر بھی سنت ہوا کہ آپ نے اپنے عمل سے اس کو ثابت کیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری آیات واحادیث اس کی نفی کرتی ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ کا عمل اس کی سنیت کی نفی کرتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں جہر کی سنیت کا ثبوت اس سے نہیں ہوسکتا۔ اب رہا یہ کہ آپ نے اس کی بھی تو تعلیم کی ہے تو جواب یہ ہے کہ یہاں محض اس چیز کی تعلیم مقصود ہے جو دعاء میں پڑھا جاتا ہے نہ کہ جہر کی تعلیم، جہر تو محض بضرورت اختیار کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر کی نظائر سے یہ بات واضح ہے۔ چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ عصر میں آیت کے جہر کرنے کے متعلق فرماتے ہیں:

ثم اِنَّ الْجَھْرَ بِهَا كَانَ للتَّعْلِيْمِ اَعْنِیْ بِهٖ تَعْلِيْم مَايَقْرأ لَاتَعْلِيْم الْجَھْرِ نَفسهٗ وَهكذا كَانَ الْجَھرُ بالتسمية فلَمْ يكن سنةً بل تعليماً لما يَقْرأه.(۱)

(پھر یہ (عصر میں آیت) جہر سے پڑھنا تعلیم کے لیے تھا، یعنی اس چیز کی تعلیم جو پڑھا جاتا ہے نہ کہ جہر کی تعلیم اسی طرح بسم اللہ کا جہر بھی ہے، پس جہر کرنا سنت نہ ہوگا، بلکہ (یہ جہر کرنا) تعلیم کے لیے تھا کہ کیا پڑھے)

حاصل یہ ہے کہ کبھی کبھی تعلیم کے لیے کہ دعاء میں کیا پڑھیں اور کس طرح پڑھیں، نبی کریم ﷺ نے زور سے دعاء فرمائی ہے، مگر اس سے سنیت ثابت نہیں ہوتی، جیسا کہ اور بھی بعض چیزیں آپ نے بلند آواز سے کی ہیں، مگر ان کی سنیت کا کوئی قائل نہیں۔

جہر کی دوسری وجہ:

(۱) فیض الباری:۲/۲۸۴

بعض علماء نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ جہر کرنا بیان جواز کے لیے تھا، نہ کہ بیان سنیت کے لیے۔ چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی محققانہ تالیف ''سعایہ شرح وقایہ'' میں فرماتے ہیں:

واختارغیرہ(ای ابن حزمؒ) السروحملواحدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ علی الجھراحیاناً بیاناً للجواز. (۱)

(اورابن حزمؒ کے علاوہ دوسرے علماء نے سرواخفاء کواختیارفرمایااور ابن عباس کی حدیث کوان علماء(جمہور) نے بیان جواز کے لیےکبھی کبھی جہر کرنے پرمحمول کیاہے)

اس کی بھی حدیث میں نظیریں ملتی ہیں کہ کبھی کبھی آپ نے بیان جواز کے لیے غیراحسن وغیرمستحب امربھی کیاہے، جیساکہ بخاری شریف میں آپ کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا(اس حکمت کے تحت) منقول ہے، حالانکہ اس کاغیرمستحسن ہونا سب کے نزدیک مسلم امرہے۔ حاصل یہ ہے کہ جہرکرنامحض جائزہےنہ کہ سنت ومستحب اس جوازکوبتلانے کے لیےکبھی کبھی آپ نے ایسافرمایاہے۔

جہرکی تیسری وجہ:

بعض علماء وائمہ نے جہرکی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ جہرسفرغزوہ میں دشمن کوخوفزدہ کرنے کے لیےتھا۔علامہ لکھنوی فرماتے ہیں:

وَبَعْضُھُمْ حَمَلُوْہ عَلیٰ اَنَّہٗ کان فی سفرالغزوۃ لارھاب العدو کذافی عمدۃ القاری . (۲)

(بعض علماءنے اس حدیث کواس پرمحمول کیاہے کہ یہ(جہرکرنا) سفرغزوہ میں تھاتاکہ دشمن کوخوف زدہ کیاجائے)

---

(۱)سعایہ:۲/۲۶۱ (۲)سعایہ:۲/۲۶۱

معلوم ہوا کہ جمہور علماء وائمہ کے نزدیک حدیث ابن عباس سے جہر کی سنیت پر استدلال صحیح نہیں اوراس کے محامل مختلف ہیں۔ انہیں محامل پر اس حدیث کو رکھنا چاہئے۔ پس اگر تعلیم کی غرض سے باآواز بلند دعاء کی جائے تو درست ہے، مگر تعلیم تو ساری عمر نہیں ہوتی، چند دن ہوتی ہے، اس لیے چند دن ایسا کرے تو مضائقہ نہیں۔ جب لوگ سیکھ لیں تو پھر اس کو ترک کر دینا لازم ہوگا۔ علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں:

واختار (ای الشافعی) للامام والماموم ان یذکر اللّٰہ بعدالفراغ من الصلوۃ ویخفیان ذلک الاان یقصد التعلیم فیُعلّماثم یُسرّا. (۱)

(امام شافعیؒ نے امام ومقتدی دونوں کے لیے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد ذکر کریں اور اخفاء کریں، الا یہ کہ تعلیم کا قصد ہو تو تعلیم کریں، پھر سر و اخفاء اختیار کریں)

اسی طرح دوسرے مقاصد صحیحہ کے تحت زور سے دعاء کی جاسکتی ہے، مگر رواج بنانا درست نہ ہوگا، بلکہ جوں ہی وہ مقصد حاصل ہو جائے اس کو ترک کرنا بھی لازم ہوگا اور اس کے متعلق پوری بحث اور اس کے احکام آخری فصل میں آئیں گے۔

استحباب جہر کی دوسری دلیل:

امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے یہ دعا پڑھتے **"لَااِلٰہَ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیْرٌ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ لَااَلٰہ الا اللّٰہ ولا نَعْبُدُاِلَّا اِیَّاہُ له النعمة وَلَہُ الْفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسنُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْکَرِہَ الْکَافِرُوْنَ."** (۲)

---

(۱) فتح الملہم: ۲/۱۷۱ (۲) مشکوٰۃ: ۸۸

اس حدیث میں چوں کہ (بصوتہ الاعلی) کے الفاظ ہیں اس لیے علامہ ابن حزم اور بعض حضرات نے دعاء وذکر میں جہر کو سنت قرار دیا ہے۔

دوسری دلیل کا جواب:

مگر یہاں بھی یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ سنیت و استحباب کے لیے استمرار یا کم ازکم ترغیب کا ثبوت ہونا چاہئے اور یہاں نہ ترغیب کا ثبوت ہے کہ مستحب قرار دیں، نہ دوام واستمرار کا ثبوت کہ سنت قرار دیں۔ لہٰذا اس حدیث سے بھی سنیت جہر یا استحباب جہر پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

لفظ کان کی تحقیق:

اب رہی یہ بات کہ حدیث میں تو یہ الفاظ ہیں **کانَ یقول بصوتہِ الاعلیٰ**۔ یہاں مضارع پر کان داخل ہے جس سے استمرار ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ صیغہ ماضی استمراری کا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ کہ کان مضارع پر داخل ہوکر استمرار کا فائدہ دیتا ہے مسلم نہیں اور کئی جگہ اس پر نقص وارد ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

فان المختارالذی علیه الاکثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظة کان لایلزم منها الدوام ولاالتکراروانماھی فعل ماضٍ بدل علی وقوعه مرةً فان دل دلیل علی التکرارعمل به والافلاتقتضیه بوضعها. (۱)

(اکثر محققین اصولیین نے جو اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ لفظ کان سے دوام وتکرار لازم نہیں آتا۔ وہ (لفظ کان) تو بس فعل ماضی ہے جو ایک مرتبہ فعل کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر کوئی (دوسری) دلیل تکرار پر دلالت کرے تو اس کے

---

(۱) شرح مسلم: ۱/۲۵۴

مطابق عمل ہوگا ورنہ یہ (کان) اپنی وضع کے اعتبار سے دوام کا تقاضا نہیں کرتا۔

اس کے بعد علامہ نوویؒ نے ایک مثال بھی بطور نقض وارد کی ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"كنت أطيّب رسول الله ﷺ لحله قبل أن يطوف"

(میں نے رسول اللہ ﷺ کو (احرام سے) حلال ہونے کے لیے طواف سے قبل خوشبو لگائی)

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے "کنت اطیب" صیغہ استعمال فرمایا ہے جس میں مضارع پر کان داخل ہے، حالانکہ حضرت عائشہ سے صحبت کے بعد نبی کریم ﷺ نے صرف ایک ہی مرتبہ حج فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ کسی فعل کے وقوع پر بھی "کان" استعمال ہوسکتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب:

اگر یہ شبہ ہو کہ حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ کو عمرہ میں حالت احرام میں بھی خوشبو لگایا ہو جس کو یہ بیان کررہی ہیں کہ میں آپ کو عطر لگاتی تھی، تو یہ تکرار، حج وعمرہ کا ملا کر ہے۔

علامہ نوویؒ اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے،۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ نے یہاں قبل الطّواف خوشبو لگانے کا ذکر کیا ہے جو حج ہی میں جائز ہے۔ عمرہ میں قبل الطّواف خوشبو کا استعمال بالاجماع جائز نہیں تو یہ بات عمرے سے کیسے متعلق ہوسکتی ہے۔

الغرض "کان" سے استمرار پر استدلال درست نہیں جب تک خارج سے اس کا ثبوت نہ ہو۔ یہی تحقیق ملا علی قاریؒ نے مرقات میں اور دوسرے علماء نے اپنی تالیفات میں ذکر فرمائی ہے۔

جب استمرار کا ثبوت نہ ہوا تو سنیت ثابت نہ ہوئی، لہذا اس جہر کو بھی ان محامل پر محمول کیا جا سکتا ہے جو اوپر مذکور ہوئے۔

استحباب جہر کی تیسری دلیل:

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَلاَتَجهَرُبِصَلوتِکَ وَلاَ تُخَافِتُ بِهَا وَابتَغِ بينَ ذٰلِکَ سَبِيْلاً.﴾ (بنی اسرائیل:۱۱۰)

(اور اپنی نماز کو نہ تو بلند آواز سے پڑھئے اور نہ بالکل آہستہ سے پڑھئے، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک راستہ اختیار کیجئے)

اس آیت سے ممکن ہے کہ کوئی استحباب جہر پر استدلال کرے، کیونکہ اس آیت میں بہت زور سے پڑھنے کی جس طرح ممانعت کی گئی ہے، اسی طرح اخفاء کی بھی ممانعت کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخفاء بھی مطلوب نہیں، بلکہ درست بھی نہیں، لہذا کچھ جہر ہونا چاہئے۔ اور یہ آیت حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق دعاء ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ امام مسلم نے اس کی تخریج کی ہے۔ لہذا دعاء میں بالکل اخفاء کے بجائے کچھ جہر مطلوب ہے اور مستحب ہے۔

جواب:

مگر علماء کے کلام سے اس آیت سے استدلال مخدوش ثابت ہوتا ہے، کیونکہ (ا) بخاری اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت بالا نماز میں قرأت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اور علماء نے اس حدیث ابن عباسؓ کو راجح قرار دیا ہے۔ کیونکہ حدیث عائشہؓ تو مسلم کی ہے اور حدیث ابن عباس بخاری کی۔ اور بخاری کی حدیث راجح ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ امام نوویؒ نے ابن عباس کے قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ آیت قرأت کے بارے میں نازل

ہوئی ہے اور محدث الطبری نے بھی حدیث ابن عباس کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ یہ روایت مخرج کے اعتبار سے اصح ہے۔(۱)

(۲) بعض علماء کرام نے آیت بالا ''لاتجھر بصلوتک'' کو دعاء کے بارے میں مانکر بھی یہ فرمایا ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے جو شروع رسالہ میں گذری، یعنی ﴿ اُدعوا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْیَةً ﴾ جس سے دعا کا اخفاء واسراء مندوب ومستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ فتح الملہم میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی فتح الباری سے علماء کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ آیت ''ولاتجھر بصلوتک'' منسوخ ہے آیت ''ادعوا'' لخ سے۔(۲)

(۳) بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ حدیثِ عائشہؓ میں جو آیا کہ یہ آیت بالا دعاء کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو اس دعاء سے مراد وہ ہے جو تشہد میں پڑھی جاتی ہے، اوران حضرات نے اس قول کی تائید میں حاکم کی روایت پیش کی ہے، جس میں ''فی التشہد'' کی زیادتی موجود ہے۔

اور سب جانتے ہیں کہ تشہد میں جو دعاء پڑھی جاتی ہے وہ بالاتفاق آہستہ ہوتی ہے تو اس سے اس کا علم ہوا کہ آیت سے دراصل جہر کا استحباب ہی ثابت نہیں ہوتا ، ورنہ علماء کے اس قول کا کوئی مطلب ہی نہ رہے گا۔ فافھم

استحباب جہر کی چوتھی دلیل:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کو یہ حلال نہیں کہ کسی قوم کی امامت کرے اور دعاء میں صرف اپنے کو خاص کر لے، اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس نے قوم کی خیانت کی ہے۔(۳)

بعض لوگوں سے جہر کے مستحب ہونے پر یہ دلیل سنی گئی کیونکہ اس میں قوم کو

(۱) فتح الملہم :۲/۱۷ (۲) فتح الملہم :۲/۱۷ (۳) ترمذی:۱/۸۲

چھوڑ کر صرف اپنے کو دعاء میں خاص کرنا ممنوع قرار دیا ہے اور اس کو خیانت فرمایا ہے۔ اس سے ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ دعاء زور سے کر کے قوم کو شامل کرنا چاہئے، ورنہ خیانت ہوگی۔ پس اس سے جہر کا مستحب ہونا ثابت کیا ہے۔

جواب:

یہ ہے کہ اولاً تو علماء کو اس حدیث کی صحت میں کلام ہے حتی کہ محدث ابنِ خزیمہؒ نے اس حدیث کو موضوع تک کہہ دیا۔ کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ کا عمل اس کے خلاف ہے کہ آپ دعاء میں جہر تو کجا جو صیغے استعمال فرماتے تھے وہ بھی واحد ہی کے منقول ہیں، سوائے چند مواقع کے آپ نے جمع کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا، خواہ نماز میں ہو یا نماز کے باہر جیسا کہ علامہ یوسف صاحب بنوریؒ نے معارف السنن (۲/۴۰۷) میں اور علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے سعایہ (۲/۲۴۵) میں تصریح کی ہے۔ اس وجہ سے بعض علماء نے اس حدیث ہی کو موضوع قرار دے دیا اگر چہ حق یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ ثابت ہے اس کے رجال ورواۃ قابلِ احتجاج ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی اور امام ابوداؤد وغیرہ نے اپنی سنن میں اس حدیث کی تخریج کی ہے اور علماء کا فیصلہ ہے کہ ان کتابوں میں اگر چہ ضعیف روایات ہیں۔ مگر موضوع کوئی نہیں اور جن محدثین نے ان کتابوں کی بعض احادیث پر وضع کا حکم لگایا ہے۔ دوسرے علماء محققین نے ان کا مدلل جواب محدثانہ طریقہ پر دیدیا ہے جو اپنی جگہ مذکور ہے۔ اس لیے یہ حدیث ثابت ضرور ہے۔

لیکن اس سے جہر کا استحباب یا سنیت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ حدیث میں صرف یہ ہے کہ امام مقتدیوں کو بھی دعاء میں شریک کرے ورنہ خیانت ہوگی اور شرکت کے لیے بلند آواز سے دعاء کرنا ضروری نہیں بلکہ بغیر جہر کے بھی شرکت اس طرح ہوسکتی ہے کہ ان کے حق میں دعاء کرے۔ چنانچہ علماء نے اس حدیث کے کئی

مطالب بیان کیے ہیں۔مگر کسی نے اس سے جہر پر استدلال نہیں کیا۔

(۱) چنانچہ اس حدیث کا بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مراد حدیث کی یہ ہے کہ جن دعاؤں میں امام کے ساتھ مقتدی بھی شریک ہوتے ہیں جیسے دعائے قنوت وغیرہ اس میں صیغۂ جمع استعمال کرے صیغۂ افراد کا استعمال اس جگہ درست نہیں۔علامہ ابن تیمیہؒ اسی کے قائل ہیں جیسا کہ علامہ ابن القیم سے معارف السنن میں نقل کیا گیا ہے۔(۱)

(۲) بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ فرض نمازوں میں جو دعاء پڑھی جاتی ہے وہ بصیغۂ جمع ہونا چاہئے۔علامہ بنوریؒ نے اس کو امام اعظم کا مذہب قرار دیا ہے۔(۲)

(۳) علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ منع وہ صورت ہے کہ امام تمام ارکانِ صلوۃ اور اس کے بعد کے افعال جو نماز سے متعلق ہیں،سب میں اپنے کو دعاء میں خاص کرے،لیکن اگر امام نے درمیان نماز میں مثل رکوع،سجدہ،تشہد وغیرہ میں اپنے کو خاص کیا اور بعد نماز سب کے لیے دعائیں عموم کرلیا تو پھر وہ اس نہی سے عہدہ برآمد ہوجائے گا۔(۳)

(۴) راقم کہتا ہے کہ میرے خیال میں حدیثِ پاک کی یہ مراد آتی ہے کہ امام خود ہی دعاء کرتا رہے اور دعاء کرنے میں اپنے آپ کو خاص کرلے اور مقتدیوں کو دعاء کرنے کی فرصت نہ دے تو یہ درست نہیں اور یہ خیانت ہے،اس لیے امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو بھی دعاء کرنے کا موقع دے اور خود آہستہ دعاء کرے یا خاموش رہے۔کیونکہ نمازوں کے بعد کا وقت قبولیتِ دعاء کا وقت ہے۔اس توجیہہ پر اس حدیث سے تو سر و اخفاء کا مستحب و مطلوب ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ جہر کا۔فافہم

---

(۱) معارف السنن:۳/۴۸ (۲) ایضا (۳) سعایہ:۲/۲۴۵

استحبابِ جہر کی پانچویں دلیل:

حضرت حبیب بن سلمہ الضمری کی حدیث میں ہے کہ:

لَا یَجْتَمِعُ مَلأٌ فَیَدعو بَعْضُھم وَیُؤَمِّنُ بَعْضُھُمْ اِلَّا اَجَابَھُمُ اللّٰہ . (۱)

(کوئی مجمع جمع ہو کر بعض دعاء اور بعض اس پر آمین نہیں کہتے مگر اللہ (ان کی دعاؤں) کو قبول کر لیتا ہے)

اس حدیث سے ممکن ہے کوئی دعاء جہری کی مندوبیت پر استدلال کرنے لگے کہ اس میں بعض کے دعاء کرنے اور بعض کے آمین کہنے پر قبولیتِ دعاء کو متفرع کیا ہے اور قبولیتِ دعاء مرغوب تو جہر بھی مندوب ہوا۔

جواب:

مگر جو دلائل استحبابِ اخفاء و سر کے اوپر مذکور ہوئے ان کے مقابلہ میں صرف اس حدیث کو اختیار کرنا اور ان سب کو ترک کرنا صحیح نہیں، کیونکہ وہ دلائل صاف و صریح بھی ہیں اور محکم بھی اور یہاں یہ احتمال ہے کہ ملأ پر تنوین نوعیت کے لیے ہو۔ لہٰذا اس سے خاص کسی موقع پر اجتماع مراد ہوگا یا یہ تنوینِ عظمت ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مراد وہ مجمع ہے جو بڑا عظیم الشان ہو اور ممکن ہے کہ یہ تنوین تنویع و تعظیم دونوں کے لیے ہو جیسے لفظ ''غشاوۃٌ'' جو قرآن میں آیا ہے، اس کی تنوین کے بارے میں بھی علماء نے تنویع و تعظیم کا قول کہا ہے جیسا کہ روح المعانی (۱/۱۳۷) میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کو اور صحابہ کرام نے اس طرح جمع ہو کر دعاء کرنے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ اگر یہ حضرات اس کا اہتمام کرتے تو یہ بات ضرور منقول ہوتی، حالانکہ یہ بات منقول نہیں بلکہ اس کے خلاف سر و اخفاء کا اہتمام منقول ہے جیسا کہ حضرت حسن بصریؒ کا قول استحبابِ جہر کی پہلی دلیل کے جواب کے ذیل میں ہم نقل کر چکے ہیں۔

---

(۱) کنز العمال: ۱/۱۸۷ کذا فی المعارف: ۳/۱۲۳

اس لیے اس حدیث کا محمل یہ ہوگا کہ کبھی کبھی جمع ہوکر دعاء بھی کرلی جائے مگر دوام واستمرار کے ساتھ اس طرح کرنا دوسرے دلائل کے خلاف ہوگا۔

استحباب جہر کی چھٹی دلیل:

عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال قال: رسول اللّٰه ﷺ يقول اللّٰه تعالىٰ أناعند ظن عبدی بی وأنا معه اذاذكرنی فان ذكرنی فی نفسهٖ ذكرته فی نفسی وان ذكرنی فی ملاءٍ ذكرتهٗ فی ملاءٍ خيرٍ منهم الخ. (۱)

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیساوہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگروہ مجھے اپنے دل میں یادکرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یادکرتا ہوں اوراگروہ مجھے مجمع میں یادکرتا ہے تو میں اس کواس سے بہتر مجمع میں (یعنی فرشتوں کے مجمع میں) یادکرتا ہوں۔

جواب:

اس کا جواب دوطرح دیاجاسکتا ہے۔ایک علی سبیل الترجیح دوسرے علی سبیل التطبیق۔

علی سبیل الترجیح جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے جہرکا استحباب وفضیلت اشارۃً ثابت ہوتی ہے اور جوروایات ودلائل فصل اول میں ذکر کیے گئے ان میں اخفاء واسرارکا استحباب وفضیلت صراحتاً مذکور ہے۔ چنانچہ حدیث نمبر (۳) میں دعاء جہری پر دعاءسری کوستر گونہ فضیلت کا ہونا صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اس طرح حدیث نمبر (۱) (۴) وغیرہ میں بھی سرواخفاء کامستحب وافضل ہونا بالتصریح مذکور ہے۔

---

(۱) بخاری:۶۸۵۶، مسلم:۴۸۳۲، ترمذی:۳۵۲۷

اورسب جانتے ہیں کہ عبارۃ النص اوراشارۃ النص میں اگر تعارض ہوتو عبارۃ النص کوترجیح دی جاتی ہے جیسا کہ نورالانوار (۱۴۷) میں ہے ۔لہٰذا یہاں بھی اس حدیث سے ثابت شدہ جہر کی فضیلت پران رویات سے ثابت شدہ استحباب اخفاء کوترجیح دی جائے گی کیونکہ وہ عبارۃ النص سے ثابت ہے۔

اورعلی سبیل التطبیق اس کا جواب یہ ہے کہ جہر کی فضیلت وہاں ہے جہاں کوئی فائدہ معتد بہا مرتب ہواور حاصل ہو۔مثلاً دوسروں کوتوجہ الی اللہ وانابت الی اللہ ہو وغیرہ اوراس صورت میں جہر کامستحب ہونا فصل رابع میں مع دلائل مذکور ہوگا۔

پس حاصل یہ ہے کہ اصل سر واخفاء ہی ہے،مگرکسی جگہ اگر جہر پر فائدہ مرتب وحاصل ہونے کا یقین یا احتمال غالب ہوتو پھر جہرافضل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جہر خواہ فائدہ مرتب ہو یا نہ ہومثلاً تنہا بیٹھ کر بلاکسی غرض صحیح کے جہر کرے تو یہ افضل نہیں بلکہ افضل ایسے حالات میں سر واخفاء ہی ہے۔اس کی تائید الفاظ حدیث سے بھی ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں یہ فرمایا گیاہے کہ جب بندہ اپنے جی میں مرا ذکر کرتاہےتو میں بھی اپنے جی میں اس کو یاد کرتا ہوں اوراگر وہ مجمع میں مراذکرکرتا ہےتو میں اس کا اس سے بہتر مجمع میں ذکرکرتا ہوں یوں نہیں فرمایا کہ اگروہ مراذکرزور سے کرے تو میں ایسا کروں گا، بلکہ فرمایا کہ مجمع میں ذکرکرے تو میں ایسا کرتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ مقصود ذکر جہری سے اگر دوسروں کوتوجہّ دلانا وغیرہ فوائد ہوں تو افضل ہے ورنہ افضل نہیں اگر ملطلقاً ذکر جہری افضل ہوتا تو یوں فرماتے کہ جب میرا ذکر زور سے کرے،حالانکہ ایسانہیں فرمایا گیا۔خوب سمجھ لو۔

اوربعض حضراتِ علماءنے یہ توجیہہ کی ہے کہ جن روایات سے جہر ثابت ہے وہ اس وقت پرمحمول ہیں جب کہ ریاء نہ ہواور جن میں سر واخفاء کا استحباب ہونا بیان ہواہے،وہ اس وقت پرمحمول ہیں جب کہ ریاء ہو۔مگر یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ ریاء کے

ہونے کے وقت سر واخفاء مستحب ہی نہیں، بلکہ واجب ہوگا، اور اس وقت جہر کرنا غیر مستحب ہی نہیں، بلکہ ناجائز ہوگا تو ریاء کے ہونے نہ ہونے پر اگر جہر وسر کا مدار ہوگا تو مسئلہ جواز وعدم جواز کا بنتا ہے نہ کہ افضل وغیر افضل کا۔ لہٰذا اس کو استحباب وعدم استحباب کا مدار قرار دینا صحیح نہیں۔ فافہم ولا تغفل۔

افادہ علمیہ:

بعض حضرات نے اس طرح کی بعض احادیث کی بناپر آیت ”اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً“ کو منفرد کے ساتھ خاص کیا ہے کہ کوئی تنہا دعاء کرے تو آہستہ کرنا چاہئے اور اگر مجمع میں دعاء کرے تو بلند آوز سے کرنا چاہئے مگر یہ تخصیص کا قول بچند وجوہ باطل ہے۔

اولاً تو اس لیے کہ وہ حضرات وجہ تخصیص میں جن روایات کو پیش کرتے ہیں وہ یا تو محض بیان جواز پر محمول ہوسکتی ہیں یا زیادہ سے زیادہ کسی خاص فائدہ کے مرتب ہونے کی وجہ سے خاص موقع اور محل میں استحباب جہر پر نہ کہ مطلقاً ہر مجمع میں فضیلت جہر پر۔ لہٰذا اس سے اس حکم عام کی تخصیص ممکن نہیں۔

ثانیاً اس لیے کہ تخصیص کا قول ظاہر آیت کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صیغۂ جمع (اُدعوا) سے خطاب فرمایا ہے اور اس سے بظاہر اجتماع (۱) ہی مفہوم ہوتا ہے اور ظاہر سے صرف بلا دلیل درست نہیں۔

ثالثاً اس لیے کہ یہ حکم منفرد وغیر منفرد سب کو عام ہے اور عام کا بلا وجہ خاص کرنا بتصریح اصلوبین ناجائز ہے۔ لہٰذا اس کا بھی منفرد کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے اور جو دلائل تخصیص مذکور ہوئے یہ مفید جواز ہیں، نہ کہ مفید سنیت یا استحباب۔ لہٰذا ان سے اس آیت کا خاص کرنا صحیح نہیں۔

---

(۱) اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ جہاں بھی صیغۂ جمع استعمال ہوگا اس سے اجتماع ہی مراد ہوگا۔ بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ صیغۂ جمع سے ظاہر اجتماع ہے تو اس کے خلاف کی کیا دلیل ہے (فافہم)

فصلِ رابع

جہری دعاء کا حکم

گذشتہ صفحات میں یہ بات واضح طریقہ پر آ چکی ہے کہ دعاء میں سر و اخفاء ہی مستحب ہے، اور دعاء جہری مستحب نہیں ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دعاء جہری اگر کر لی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

اس لیے ہم کسی قدر تفصیل سے اس سوال کا جواب حوالہ قرطاس کرتے ہیں جس سے انشاءاللہ ہر قسم کے اشکالات وتوہمات مندفع ہو جائیں گے۔ سو ملاحظہ ہو کہ:

دعاء وذکر میں جہر دو طرح ہوتا ہے ۔ ایک تو جہر مفرط یعنی حد اعتدال سے متجاوز جس کو چیخنا چلاّنا کہا جاتا ہے۔ دوسرے جہر معتدل کہ حدِ اعتدال میں ہو چیخنا، چلاّنا نہ ہو۔ اور ہر صورت کا جدا جدا حکم ہے۔

جہر مفرط کا حکم:

پہلی صورت یعنی ذکر و دعاء بجہر مفرط بالاتفاق ناجائز ہے اور اس سے صرف وہ مواقع مستثنٰی ہیں جن میں شریعت نے جہر مفرط کی اجازت وتاکید وترغیب دی ہے۔ جیسے ''اذان'' میں جہر مفرط موکد ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے اس کے لیے اپنی جامع میں ''باب رفع الصوت بالنداء'' منعقد فرمایا ہے۔ اسی طرح حج کے موقع پر خوب چیخ چیخ کر ذکر یعنی لبیک کہنا مشروع ہے اور ایسے حج کو جس میں بجہر مفرط ''لبیک'' کہی گئی ہو حدیث میں افضل حج قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ان خاص مواقع کے علاوہ دیگر مقامات ومواقع میں جہر مفرط ناجائز اور بدعت مذمومہ ہے۔

علامہ جلال الدین السیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر جلالین میں آیت ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اِنَّهٗ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ فِى الدُّعَاءِ بِالتشدُّق وَرَفْعِ الصَّوتِ(۱)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ دعاء میں چیختے ہوئے اورآواز بلند کرتے ہوئے حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتے)

اورامام ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معتدین یعنی حد سے گذر جانے والوں سے مراد اپنی آوازوں کو بلند کرنے والے ہیں۔ نیز فرمایا کہ چیخنا مکروہ اور بدعت ہے اورفرمایا کہ حد سے تجاوز کرنا (جوآیت میں مذکور ہے) یہ ہے کہ آواز بلند کرے اوردعاء میں چیخے ،پکارے۔(ہکذافی حاشیۃ جلالین)

امام فخرالدین الرازی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر کبیر میں اسی آیت میں واقع ''معتدین'' کی تفسیر کرتے ہوئے تحریرفرماتے ہیں:

ثم قال تعالیٰ بعده (انه لايحب المعتدين) والاظهران المراد انهٗ لايحب المعتدين فی ترک هذين الامرين المذكورين وهماالتضرع والاخفاء فان الله لايثيبه البتة ولايحسن اليه ومن كان كذلک كان من أهل العقاب لامحالة فظهران قوله تعالیٰ لايحب المعتدين كالتهديد والتشديدعلى ترک التضرع والاخفاء.(۲)

(پھراللہ تعالیٰ نے (تضرعاً اوراخفاء کاحکم دینے) کے بعدفرمایا کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جوان مذکورہ دوامور کے ترک کرنے میں حد سے گذرجانے والے ہیں اوروہ دوچیزیں تضرع (گڑگڑانا) اور اخفاء (آہستہ دعاء کرنا) ہیں پس اللہ تعالیٰ (ایسے شخص کو جوان چیزوں کوترک کردے) ثواب نہیں دیتااوراس پراحسان نہیں کرتا۔ اور جوشخص ایساہے وہ اہل عقاب میں سے ہے

(۱)جلالین:۱۳۴(۲) تفسیر کبیر۱۴/۱۳۰

لامحالہ۔ پس اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کا قول ﴿انه لایحب المعتدین﴾ میں ترک تضرع وترک اخفاء مثل تہدید وتشدید کے ہے)

امام المفسرین علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ اپنی نادر تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے تحت رقمطراز ہیں کہ:

ومن هنا قال جمع بكراهة رفع الصوت به وفی الانتصاف حسبک فی تعین الاسرار فيه اقترانه فی الاية بالتضرع فالاخلال بهٖ كالاخلال بالضراعة الى اللّٰه.......... وترى كثيراً من اهل زمانک تعتمدون الصراخ فی الدعاء خصوصاً فی الجوامع حتى يعظم اللغط ويشتدوتستک المسامع وتشدّ ولايدرون انهم جمعوابين بدعتين رفع الصوت فی الدعاء وكون ذلک فی المسجد. (۱)

(یہیں سے ایک جماعت علماء نے دعاء میں آواز بلند کرنے کو مکروہ کہا ہے اور کتاب الانتصاف میں ہے کہ تجھے دعاء میں اخفاء وسر کی تعیین میں دعاء کا تضرع کے ساتھ آنا ہی کافی ہے۔ لہٰذا اخفاء میں خلل ڈالنا (یعنی جہر کرنا) گویا تضرع میں خلل ڈالنا ہے (کہ جب اخفاء نہ رہا تو تضرع بھی نہ رہا.......... آگے چل کر فرماتے ہیں...... کہ تو تیرے زمانہ والوں میں سے بہت ساروں کو دیکھے گا کہ وہ دعاء میں چیخ پکار کرنے والے پر اعتماد کرتے ہیں۔ خصوصاً مجمعوں (جامع مسجد) میں حتیٰ کہ خوب ہی شور وغوغا ہوتا ہے اور کان بہرے ہو جاتے ہیں اور بند ہو جاتے ہیں۔ اور یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ انہوں نے دو بدعتوں کو جمع کر رکھا ہے ایک تو دعا میں آواز کا بلند کرنا اور دوسرے اس کا مسجد میں ہونا)

اسی طرح ملا علی قاریؒ نے مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنے کو ناجائز فرمایا ہے

(۱) روح المعانی: ۱۳۹/۸

اور درمختار میں مسجد میں ذکر جہری کو مکروہات میں شمار کیا ہے۔ یہ سب اسی جہری مفرط پر محمول ہے۔

ان علماء وفقہاء کے اقوال سے بات خوب واضح ہوگئی کہ دعاء میں چیخنا پکارنا جیسا کہ آج کل عام طور پر رائج ہوگیا ہے اور لوگ اس کو پسند کرتے ہیں اور ایسے ہی چیخنے والوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ یہ سب ناجائز اور بدعتِ مذمومہ ہے اس کا ترک لازم اور ضروری ہے۔

جہر معتدل کا حکم:

دوسری صورت یعنی جہر معتدل ومتوسط کا حکم یہ ہے کہ وہ فی نفسہٖ جائز ہے۔ چنانچہ جو روایات فصلِ ثالث میں گذری ہیں ان سے جہر کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ البتہ ان سے جہر کی سنیت یا اس کا استحباب ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ مفصل گذر چکا ہے۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ذکر جہری یا دعاء جہری کو مطلقاً بدعت یا معصیت ونامشروع قرار دینا غلط ہے کیونکہ جہر کا ثبوت متعدد روایات سے ہوتا ہے۔ پھر اس ثبوت کے بعد اس کا انکار درست نہیں۔ اس لیے اکثر جمہور فقہاء وعلماء نے جس طرح استحبابِ سر واخفاء پر اجماع واتفاق کیا ہے ایسے ہی جہر کے جواز ومشروع ہونے پر بھی اتفاق کیا ہے۔ یعنی جب کہ جہر حدِ اعتدال میں ہو اور بعض حضرات نے جہر کے ممنوع ہونے اور ناجائز ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو جہراً ذکر کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا تھا کہ اپنے نفسوں پر رحم کرو۔ یہ حدیث فصل اول میں گذر چکی ہے اور اس استدلال کا جواب بھی اشارۃ وہاں پر ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نہی شفقت ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ اور اس کی تائید الفاظ حدیث سے بھی ہوتی ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے "اربعوا علی انفسکم" کہ اپنے نفسوں پر رحم کرو۔ اور نہی شفقت سے

اس فعل کا عدم جواز ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ اتنا یاد رہے کہ نہی شفقت امر مستحب پر نہیں ہوسکتی جائز پر ہوسکتی ہے۔ اس لیے اس حدیث سے عدمِ استحبابِ جہر پر استدلال درست ہے اور عدمِ جوازِ جہر پر غلط۔ فافہم

جب یہ بات معلوم و متحقق ہوچکی کہ دعاء و ذکر اگر بجہر معتدل و متوسط ہو تو فی نفسہٖ جائز و مباح ہے کہ اس جہر کے کرنے سے نہ ثواب ہے اور نہ ترک پر عتاب، تو اب یہ ملاحظہ فرمائیے کہ امر مباح کبھی تو عارضی کراہت و حرمت کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی امور مستحبہ بلکہ امور واجبہ سے ملحق ہو جاتا ہے بالفاظ دیگر امر مباح کسی عارض کی وجہ سے مکروہ و حرام بھی ہوسکتا ہے اور کبھی مستحب و واجب بھی اس طرح دعاء ذکر جہری بھی جب مباح ٹھہرے تو ممکن ہے کہ کسی عارض غیر مناسب کی وجہ سے مکروہ یا ناجائز ہو جائیں یا کسی عارض محمود یا مقصود کے لحوق سے مستحب یا واجب ہو جائیں۔

تفصیل الاجمال:

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شرع میں فقہی قاعدہ اور اصول مسلم ہے کہ مباح اپنی ذات میں نہ طاعت ہے نہ معصیت، لیکن عوارض کے اعتبار سے ممکن ہے کہ کبھی وہ طاعت بن جائے اور کبھی معصیت ہو جائے مثلاً چلنا کہ ایک مباح فعل ہے کہ نہ اس کے کرنے پر ثواب ہے اور نہ ترک پر عتاب، مگر ممکن ہے کہ اس میں کوئی ایسی مصلحت و منفعت ہو جس سے یہ عبادت بن جائے مثلاً مسجد یا مجلس وعظ کی طرف چلنا یا بنیت عبادت یا بغرض عیادت چلنا کہ یہ سب عبادت میں داخل ہو کر طاعت ہو گیا۔ اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس چلنے میں کوئی مضرت یا مفسدہ ہو جس سے یہ مباح فعل معصیت ہو جائے، مثلاً ناچ دیکھنے کو چلنا یا شراب خوری کے لیے چلنا یہ سب معصیت میں داخل ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مباح اگرچہ اپنی ذات میں نہ طاعت ہے نہ معصیت لیکن

بعض عوارض خارجیہ کی وجہ سے وہ کبھی معصیت اور کبھی طاعت بن جاتا ہے اگر مفاسد کا لحوق ہوا تو وہ معصیت اور اگر مصالح کا عروض ہوا تو وہ طاعت بن جاتا ہے۔

پھر مفاسد و مصالح بھی متفاوت المراتب ہوتے ہیں۔ بعض مراتب مفاسد اشد اور بعض اخف، ایسے ہی بعض مصالح اعلیٰ اور بعض ادنیٰ ہوتے ہیں۔ اسی اعتبار سے اس امر مباح کے معصیت و طاعت ہونے میں تفاوت ہوتا ہے کہ کبھی تو امر مباح بعض مفاسد کے منضم ہو جانے سے حرام ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ مفاسد بھی اشد بلکہ اشد ترین ہوتے ہیں جیسے سینما بینی کے لیے چلنا۔ اور بعض اوقات وہ مکروہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مفاسد اشد نہیں ہوتے اخف اور ہلکے ہوتے ہیں۔

اور کبھی امر مباح بعض مصالح کی وجہ سے واجب و فرض ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ مصالح اعلیٰ اور مقصود ہوتے ہیں۔ مثلاً حج بیت اللہ کے لیے ہوائی جہاز یا سمندری جہاز کا سفر کرنا کہ یہاں ہندوستان وغیرہ ممالک کے لیے حج کا فریضہ ادا کرنا، اس کے سواء ممکن نہیں۔ جب حج اس پر موقوف ہوا کہ ہوائی جہاز یا سمندری جہاز کا سفر اختیار کیا جائے تو حج کی طرح یہ بھی فرض و واجب ہو گیا، حالانکہ ہوائی جہاز کا یا سمندری جہاز کا سفر محض ایک مباح کام ہے اور کبھی امر مباح بعض مصالح کے عارض ہونے سے محض مستحب و مندوب ہوتا ہے۔ جیسے دینی و شرعی احکام کا لکھنا اور شائع کرنا کہ چونکہ اس میں فریضۂ تبلیغ ادا ہوتا ہے اور یہ مقصود ہے اس لیے یہ ذریعہ تبلیغ بھی مستحب ہوگا، حالانکہ لکھنا محض ایک مباح کام ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب حج بیت اللہ فرض تھا تو اس کا ذریعہ بھی فرض ہوا اور یہاں جب تبلیغ بھی فرض ہے تو اس کا ذریعہ کیوں نہ فرض ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذریعہ دو قسم کا ہے ایک وہ جو مقصود کے حصول کے لیے عقلاً یا عادۃً موقوف علیہ کا درجہ رکھتا ہو۔ اور دوسرا وہ کہ وہ

ذریعہ حصولِ مقصود کے لیے موقوف علیہ نہ ہو، بلکہ اسکے علاوہ دیگر ذرائع بھی اس کے حصول کے لیے ہوں ۔ پس قسم اول کو اگروہ فرض کا ذریعہ ہو فرض قرار دیں گے اور اگر مستحب کا ذریعہ ہو تو مستحب......لیکن قسم ثانی میں مطلق ذریعہ تو فرض ہوگا، لیکن کسی خاص ذریعہ کو فرض نہ کہیں گے، اس لیے حج بیت اللہ کے اس خاص ذریعہ کو ہم نے موقوف علیہ ہونے کی وجہ سے فرض کہا اور ذریعہ تبلیغ چونکہ ایک ہی نہیں ہے اس لیے خاص اس ذریعہ کو یعنی لکھنے کو فرض نہیں کہا بلکہ مستحب کہا ہے۔ فافہم

جب یہ ممہد ہوگیا کہ امر مباح مفاسد و مصالح کے عروض ولحوق کے اعتبار سے مکروہ ،حرام یا مستحب وفرض بھی ہوجاتا ہے، تو اب دعا یا ذکر میں جہر معتدل کا حکم دریافت کرنا نہایت ہی آسان ہے، کیونکہ اب صرف یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اس دعاء جہری میں کوئی مفسدہ اعتقادی یا عملی ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ تمام مفاسد سے خالی ہے۔

مروجہ دعاء جہری میں اعتقادی مفسدہ:

سو غور کرنے سے اور حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مروجہ دعاء جہری میں اعتقادی وعملی دونوں قسم کے مفاسد منضم ہیں۔

اعتقادی مفسدہ تو اس طرح کہ ہمارے ان علاقوں میں لوگوں نے اس مباح امر کو اس کے درجہ سے گذار کر واجب کا درجہ دیدیا ہے ،جس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی امام نماز کے بعد سری دعاء کرے جو کہ افضل ہے، تو لوگ اس پر ملامت کرتے ہیں اور اسے مجبور کرتے ہیں کہ دعاء جہری کرے اور ظاہر ہے کہ ملامت کسی امر مباح کے ترک پر نہیں کی جاتی ، بلکہ امور مستحبہ پر بھی اس قسم کی ملامت اور تشدید نہیں کی جاتی کہ مستقل جھگڑا اقائم کر دیا جائے ، بلکہ بعض جگہ تو یہاں تک دیکھا گیا کہ ایک عالم امام کے سری دعاء کرنے پر لوگ اس قدر برگشتہ ہوئے کہ اس عالم امام کی جگہ جاہل شخص کو اپنا امام بنادیا، جسے قرآن پاک بھی ٹھیک ٹھاک پڑھنا نہیں آتا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس مروجہ طریقہ پر دعاء جہری کرنے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

اور اصول میں یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ کسی امر مباح بلکہ امر مستحب کو بھی اس کے درجہ سے گذار کر وجوب کا درجہ دیدینا فساد عقیدہ ہے اور علماء کرام نے اس کے فساد اعتقادی ہونے کی تصریح کی ہے۔اسی طرح کسی امر مباح یا مستحب پر اس طرح پابندی کرنا جیسے واجب وفرض پر کرتے ہیں فساد عملی ہے۔حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی کتاب ''اصلاح الرسوم'' میں فرماتے ہیں:

''**قاعدہ اول**: کسی امر غیر ضروری کو اپنے عقیدہ میں ضروری اور موکد سمجھ لینا یا عمل میں اس کی پابندی اصرار کے ساتھ اس طرح کرنا کہ فرائض وواجبات کی مثل یا زیادہ اس کا اہتمام ہو اور اس کے ترک کو مذموم اور تارک کو قابل ملامت وشناعت جانتا ہو ، یہ دونوں امر ممنوع ہیں کیونکہ اس میں حکم شرعی کو توڑنا ہے اور تقیید وتعیین وتخصیص والتزام وتحدید وغیرہ اسی قاعدہ اور مسئلہ کے عنوانات وتعبیرات ہیں''۔(۱)

قرآنی استدلال:

یہ جو قاعدہ بیان کیا گیا کہ کسی امر مباح کو واجب خیال کرنا فساد عقیدہ ہے اور مذموم وممنوع ہے یہ قرآن پاک کی آیت سے مستنبط ہوتا ہے:

﴿وَلَيْسَ الْبِرُّبِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَاوَلٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾[بقرہ:۱۸۹]

(اس میں کوئی نیکی کی بات نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی جانب سے آؤ ہاں لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی حرام چیزوں سے بچے اور گھروں میں (آنا چاہو) تو ان کے دروازوں سے آؤ)

---

(۱)اصلاح الرسوم:۴۳

واقعہ یہ ہے کہ اسلام سے پہلے اہل عرب اور بعض انصار احرام حج کی حالت میں کسی وجہ سے اپنے گھر جانا چاہتے تو گھروں میں ان کے دروازوں کے بجائے گھروں کی پشت کی جانب سے داخل ہوتے اور اس کو فضیلت خیال کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(۱)

اور ان کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ پشت کی جانب سے داخل ہونا کوئی نیکی اور فضیلت کی بات ہے اور گھروں کے دروازوں سے داخل ہونا بری بات ہے۔

اس جگہ لائق تامل و قابل التفات یہ امر ہے کہ گھروں میں دروازوں سے جانا بھی ایک امر مباح تھا اور پشت کی جانب سے داخل ہونا بھی ایک امر مباح تھا، لیکن جب ان لوگوں نے ایک مباح کو واجب اور دوسرے کو ناجائز قرار دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی اور اس زعم کا باطل ہونا بصراحت بیان فرمایا جس سے بقول حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانویؒ یہ بات مستفاد ہوئی کہ ’’جو شئ شرعاً مباح ہو اس کو طاعت و عبادت اعتقاد کر لینا، اسی طرح اس کو معصیت اور محل ملامت اعتقاد کر لینا شرعاً مذموم ہے اور بدعت میں داخل ہے‘‘۔(۲)

مروجہ دعاء جہری بدعت ہے:

پس آیت شریفہ سے یہ واضح ہو گیا کہ مباح کو باعث فضیلت عبادت وطاعت سمجھ لینا مفسدہ اور بدعت ہے۔ اور امر غیر ضروری و غیر مطلوب عند الشرع میں کوئی مفسدہ پیدا ہو جائے تو اس فعل کو ترک کر دینا واجب ہوتا ہے (اس کی تفصیل کے لیے رسالہ اصلاح الرسوم :۳۷ تا ۴۷ ملاحظہ فرمائیں) جب یہ تین مقدمے ممہد ہو گئے کہ دعاء جہری فی نفسہٖ مباح ہے اور آج کل اس میں اعتقادی مفسدہ منضم ہو گیا ہے اور جو شئ مباح مفسدہ سے مقترن ہو وہ ممنوع و واجب الترک ہے تو خود

---

(۱) بخاری:۲/۶۴۸ (۲) تفسیر بیان القرآن: یسئلونک عن الأهلة کے تحت

دعاء جہری کا ممنوع اور بدعت اور واجب الترک ہونا ثابت ہوگیا۔

پس یہ مروجہ دعاء جہری بدعت ہے اور چاہئے کہ اس کو ترک کر دیا جائے۔ البتہ اگر کسی علاقے میں عوام کا حال ایسا نہ ہو اور وہ اس دعاء جہری کو واجب نہ سمجھتے ہوں جس کی علامت یہ ہے کہ کہ ترک جہر پر ملامت نہ کرتے ہوں یا بلا التزام جہر نہ کرتے ہوں تو پھر ان لوگوں کے لیے وہ اپنی اصل یعنی جواز پر باقی رہے گی۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اپنے رسالہ استحباب الدعوات میں فرماتے ہیں:

قد کثر الناس فی ھٰذہ المسئلة اعنی دعاء الامام عقیب الصلوٰۃ وتامین الحاضرین علیٰ دعائه وحاصل ماانفصل عنه الامام الغبرینی وابن عرفة ان ذٰلک ان کان علیٰ نیة انه من سنن الصلوٰۃ وفضائلها فھوغیرجائز وان کان مع السلامة من ذٰلک فھوباق علی حکم الاصل.(۱)

(لوگوں نے اس مسئلہ یعنی امام کے بعد نماز دعا مانگنے اور حاضرین کے اس پر آمین کہنے میں بہت کلام کیا ہے اور امام غبرینی اور امام ابن عرفہ نے جو تحقیق بیان کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نماز کی سنتوں میں سے ہے اور اس کے فضائل میں سے ہے تو پھر نا جائز ہے اور اگر اس (عقیدہ سنیت) سے سلامتی کے ساتھ ہے تو وہ اپنی اصل (یعنی جواز) پر باقی ہے)

دعاء جہری میں عملی مفاسد:

یہاں تک اعتقادی مفسدہ کی تحقیق تھی۔ اب ہم دعاء جہری کے عملی مفاسد کا ذکر کرتے ہیں، اگرچہ دعاء جہری کے بدعت و واجب الترک ہونے کے لیے اعتقادی مفسدہ کا تحقق ہی کافی ہے ،لیکن تکمیل بحث کی خاطر اور اس کی

(۱) رسالہ استحباب الدعوات مندرجہ امداد الفتاوی:۳: ۸۰

مزید شناعت وقباحت کی تحقیق کے لیے ان عملی مفاسد کا ذکر بھی مناسب ہے، سو اس میں کئی عملی مفاسد جمع ہیں:

(۱) سب سے پہلے اور عظیم مفسدہ تو یہ ہے کہ دعاء جہری سے طریق سنت کا ترک لازم آتا ہے کیونکہ سنت تو سر واخفاء ہی ہے جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا۔ البتہ کبھی کبھی کسی غرض صحیح و مصلحت کی خاطر ترکِ سر خلاف سنت نہیں، کیونکہ اسکا ترک بھی ثابت ہے جیسا کہ فصل ثالث میں بتایا گیا ہے۔

(۲) دوسرا عملی مفسدہ اور خرابی یہ ہے کہ بعض حضرات مسبوق ہوتے ہیں یعنی نماز میں اتنی تاخیر سے آتے ہیں کہ ایک دو رکعات جماعت سے چھوٹ جاتے ہیں اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ لوگ اپنی باقی ماندہ نماز ادا کرنے کھڑے ہو جاتے ہیں، اب اگر دعاء بلند آواز سے کی جائے تو ان مسبوقین کے خیالات بٹ جاتے ہیں اور منتشر ہونے لگتے ہیں اور ان کے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اسی لیے علماء اوقاتِ جماعت کے علاوہ بھی مسجد میں اس وقت بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کو ناجائز فرماتے ہیں جب کہ وہاں کوئی نماز پڑھ رہا ہو۔ تو پھر عین اوقات جماعت میں دعاء جہری کی کیونکر اجازت دی جاسکتی ہے؟

(۳) تیسرا عملی مفسدہ وہ ہے کہ جس کی جانب علامہ محمود آلوسی کی منقولہ بالا عبارت میں اشارہ ہے کہ سر واخفاء کے ترک کرنے سے تضرع میں خلل پڑتا ہے۔ اور یہ بات مشاہد و مجرب ہے کہ جہاں سر واخفاء مفقود ہوتا ہے وہاں خضوع بھی اور تضرع بھی رخصت ہو جاتے ہیں۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ آیت شریفہ "**اُدْعُوْرَبَّكُم تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً**" میں تضرع کا حکم دینے کے بعد فوراً اخفاء کا حکم دیا ہے کہ تضرع بلا اخفاء کے یا تو حاصل ہی نہیں ہوتا یا نہایت ہی مشکل ہے۔

(۴) چوتھا مفسدہ وہ ہے جو رسالہ استجاب الدعوات میں امام مالکؒ کے

مذہب کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ففی ابی الحسن علی الرسالة ما نصه القرافی کره مالک رضی الله عنه وجماعة من العلماء الائمة المساجدوالجماعات الدعاء عقیب الصلوات المکتوبة جهراً للحاضرین فتجمع لهذاالامام التقدم وشرف کونهٖ نصب نفسه واسطة بین الله وعباده فی تحصیل مصالحهم علی ید یه فی الدعاء فیوشک ان تعظم نفسه ویفسد قلبه وتعصی ربه فی هذه الحالة اکثرممایطیعه.

(امام ابوالحسنؒ کے حاشیۂ رسالہ میں یہ الفاظ ہیں۔قرافی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ اورعلماء کی ایک جماعت نے مساجد کے اماموں اور جماعت کے اماموں کے لیے جہراً دعامانگنا مکروہ سمجھا ہے، کیونکہ اس صورت میں امام کے لیے دوچیزیں بڑائی اورسیادت کی جمع ہوں جائیں گی ایک امامت کے سبب سب سے آگے ہونا دوسرے یہ کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اوراس کے بندوں کے درمیان دعاء میں ایک واسطہ بنا کرقائم کردیا ہےتو عجب نہیں کہ اس کے نفس میں تکبر پیدا ہوجائے اوراس کا قلب فاسد ہوجائے۔لہٰذااس حالت میں حق تعالیٰ کی جتنی عبادت کررہا ہےاس سے زیادہ گناہ میں مبتلا ہوجائے)(۱)

راقم السطور کہتا ہے کہ اس مفسدہ کا کچھ مشاہدہ ان دیہاتوں اوران علاقوں میں دورہ کرنے سے ہوسکتا ہے کہ جہاں لوگ امام ومؤذن کے پاس دعاء کرانے اورایصال ثواب کروانے کے لیے کھڑے رہتے ہیں۔کیونکہ ان جاہل اماموں نے عوام کو یہ سمجھا رکھا ہے کہ ایصال ثواب، فاتحہ خوانی اورقرآن خوانی وغیرہ انہیں اماموں کے توسط سے کی جاسکتی ہے،ورنہ فاتحہ خوانی اورقرآن خوانی کا ثواب پہنچنا تو درکنارخود فاتحہ ہی صحیح

(۱)رسالہ استحباب الدعوات مندرجہ امدادالفتاوی:۸۰۱

نہیں ہوتی۔ اس طرح یہ لوگ خدا کی نافرمانی کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

(۵) پانچواں مفسدہ یہ ہے کہ مقتدیوں اور مصلیوں کو اس خاص وقت میں جس میں بحوالہ حدیث نبوی دعائیں قبول ہوتی ہیں (یعنی فرض نمازوں کے بعد کے وقت میں) اپنی حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اگر ایسے ہی موقع میں اپنی ضروریات وحاجات کو اللہ کے سامنے نہ رکھیں گے تو پھر کب رکھیں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ قبولیت کے اور مواقع نہیں ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ نمازوں کے بعد کا وقت تو بہت ہی اہم ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کیا کرو۔ (۱)

(۶) چھٹا مفسدہ یہ ہے کہ آج کل عام طور پر ائمہ مساجد بعض دعاؤں کو رٹ کر بلا سمجھے ویسے ہی پڑھ دیتے ہیں جس پر بے چارے عوام آمین آمین کہتے جاتے ہیں۔ ان رٹی رٹائی دعاؤں کے مطلب ومعنی پر نہ ائمہ ہی توجہ کرتے ہیں نہ عوام، بس ایک رسم کے طور پر چند دعاؤں کو پڑھ دیتے ہیں اور ایسی دعاؤں کے بارے میں حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جان لو اللہ تعالیٰ غافل قلب سے دعاء قبول نہیں کرتا۔ (۲)

پھر دعا محض پڑھ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ دعاء تو مانگنے کا نام ہے۔

پس جب اس مروجہ دعاء جہری میں کئی کئی مفاسد بھرے پڑے ہیں تو اس مباح کے مکروہ وناجائز ہونے میں کیا تردد ہے؟ کیونکہ جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ مباح میں اعتقادی یا عملی مفاسد منضم ہو جائیں تو وہ مباح مکروہ وناجائز ہو جاتا ہے اور اس کا ترک واجب ولازم ہوتا ہے۔ پس یہ مروجہ دعاء بھی واجب الترک ہے۔

❁ مستحب بھی مکروہ ہوسکتا ہے:

---

(۱) رسالہ استحباب الدعوات مندرجہ امداد الفتاوی: ۸۰۵ (۲) ترمذی: ۳۴۰۱

مباح تو مباح ہی ہے وہ اگر کسی عارض کی وجہ سے مکروہ وناجائز ہوجائے تو چنداں تعجب نہیں۔ فقہاء کرام نے بعض امور مستحبہ تک کو فساد عقیدہ یا خرابی عمل کی وجہ سے مکروہ فرمایا ہے جب کہ کبھی کبھی ترک نہ کیا جائے، حالانکہ بعض سورتوں کا متعین کرنا خود شارع علیہ السلام سے ثابت ہے۔(۱)

(۱) یہیں سے امام کے لیے عمامہ اور خطیب کے لیے عصا کے استعمال کا مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ چونکہ ہمارے ان علاقوں میں ان چیزوں کو ضروری وواجب سمجھا جاتا ہے اس لیے ان پر بھی مداومت واستمرار مکروہ وبدعت ہوگا۔ اس موقع پر میرے ایک غیر مطبوعہ رسالہ ''اصلاح المفاسد'' سے چند سطور اس سلسلہ میں ملخصاً نقل کرتا ہوں، وہ یہ کہ:

عمامہ کے بارے میں دو خرابیاں ہیں، ایک تو یہ کہ عوام وبعض خواص کالعوام نے اس کو وجوب کا درجہ دے دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ عوام عمامہ کے بغیر امامت پر شدت سے انکار کرتے ہیں۔ اس سے بھی عجب یہ ہے کہ ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت کو تو بلانکیر وکراہت درست رکھتے ہیں لیکن کیا مجال کہ کوئی بلا عمامہ نماز پڑھاوے۔ اس سے عوام کے اعتقاد باطل وخیال فاسد کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مستحب کو تو واجب گردانا اور واجب کو مباح سے گھٹا دیا۔ یہی حال ہے عصا کے استعمال کا (جس کی تفصیل اصل رسالہ میں ہے)

کیا اب بھی ان لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلتی جو مصلحت کی رٹ لگائے عوام کے عقائد باطلہ کی اصلاح سے دست کش ہیں؟ افسوس ہے کہ مصلحت کا نام لے کر بجائے اصلاح کے فساد پھیلایا جاتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ یہ حضرات بڑے زور سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ اصلاح کرنے سے عوام میں فتنہ ہوگا اور قرآن میں فتنہ کو قتل سے اشد قرار دیا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ ''**کلمۃُ حق ارید بھا الباطل**'' کی قبیل سے ہے۔ کیونکہ قرآن میں لفظ فتنہ عقائد باطلہ یا اعمال قبیحہ یا اخلاق رذیلہ کے لیے استعمال ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ برے عقائد واعمال واخلاق، قتل سے بھی اشد وسخت ہیں۔ قرآن میں اردو والا فتنہ مراد نہیں ہے۔ لہٰذا اس کو مراد لینا اپنی جہالت کا اظہار یا تحریف قرآن کا جرم اپنے سر لینا ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ عمامہ نماز وغیر نماز میں اور مقتدی وامام سب کے لیے سنت تھا۔ مگر عوام نے اس کو ایک تو نماز کے ساتھ خاص کر دیا، دوسرے امام کے ساتھ۔...........

علامہ شامیؒ اس پر طویل بحث فرمانے کے بعد آخر میں رقمطراز ہیں:

حاصل کلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة فى المداومة وهوأنه ان راى ذلك حتماً يكره من حيث تغيير المشروع والايكره من حيث ايهام الجاهل. (۱)

(ان دو بزرگوں (علامہ ابن ہمام و ابن نجیم) کے کلام کا حاصل (ان مستحب سورتوں پر) مداومت وہمیشگی میں کراہت یہ ہے کہ وہ (مستحب سورتوں پر التزام کرنے والا ان سورتوں کے پڑھنے کو) اگر ضروری خیال کرتا ہے یعنی واجب جانتا ہے تو یہ مکروہ ہے تغییر شرع کی وجہ سے، ورنہ مکروہ ہے جاہل کو (وجوب کے) وہم میں ڈالنے کی وجہ سے (کہ لوگ اس کو واجب سمجھیں گے)

الغرض جہاں تغییر شرع لازم آئے یا عوام جہلا کے واجب سمجھ جانے کا اندیشہ ہو تو اس مستحب کو بھی ترک کرنا لازم ہو جاتا ہے اور وہ مکروہ وممنوع ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک جلیل القدر وعظیم المرتبت صحابیِ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

..................یہ اپنی جانب سے تخصیص وتقیید باطل ہے۔

بعض لوگ نماز میں خصوصیت کے ساتھ عمامہ باندھنے کی فضیلت پر بعض روایات سے استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمامہ کے ساتھ دو رکعت بلا عمامہ ستر رکعت سے افضل ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نفل یا فرض نماز عمامہ کے ساتھ بلا عمامہ کے پچیس درجہ برابر ہے۔ مگر اولاً تو محدثین نے ان روایات کو موضوع قرار دیا ہے (دیکھو فیض القدیر اور موضوعات صغریٰ وکبریٰ)

دوسرے اس میں امام کی تخصیص نہیں ہے اور وہی محل عبث ہے۔

الغرض ان خرابیوں کی وجہ سے ان چیزوں کو مداومۃً نہیں کرنا چاہئے۔ یہ رسوم قابل اصلاح ہیں تا کہ حدود شرع سے تجاوز نہ ہو۔ (**تلک حدود الله فلاتعتدوها**) فقط

(۱) رواه المختار: ۱/۳۶۶

"لایجعل أحدکم الشیطان شیئاً من صلوته یری أن حقاً علیه أن لاینصرف عن یمینهٖ لقد رایٔث رسول اللّٰہ ﷺ کثیراً ینصرف عن یساره."(۱)

(تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے کہ اپنے او پر واجب جاننے لگے کہ سوائے داہنی طرف کے (بعد نماز) دوسری جانب سے نہ گھومے میں نے رسول اللہ ﷺ کو بہت مرتبہ بائیں جانب سے بھی مڑتے دیکھا ہے)

اس حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعد نماز صرف داہنی طرف مڑنے کے ضروری سمجھنے پر اس کو شیطانی حصہ اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔ حالانکہ داہنی جانب مڑنا رسول اللہ سے بیشتر احادیث سے ثابت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی سنت کو واجب کا درجہ دیدینا بھی درست نہیں۔ اس حدیث کے تحت علامہ طیبی شارح مشکوۃ فرماتے ہیں:

وفیه أن من أصر علی مندوب وَجَعلهٗ عزماً ولم یعمل بالرخصة فقدأصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من أصرّعلی بدعةٍ اومنکر.(۲)

(اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی کہ جو شخص امر مستحب پر اصرار اور پابندی (اس طرح) کرے کہ اس کو واجب سمجھے (خواہ اعتقاداً خواہ عملاً) اور رخصت پر عمل بالکل نہ کرے تو شیطان نے اس سے گمراہ کرنے کا حصہ حاصل کرلیا (جب امر مندوب پر اصرار اور اس کو واجب جاننے کا یہ حال ہے) تو بدعت اور منکر پر اصرار کرنے والے کا کیا حال ہوگا؟)

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے دعاء جہری کو مستحب ہی

(۱) بخاری: ۱/۱۱۸ (۲) مرقاۃ المصابیح: ۲/۳۵۳

مان لیں تب بھی آج کل کی مروجہ دعاء جہری ان مفاسد اعتقادی و عملی کی وجہ سے بدعت وواجب الترک ٹھہرتی ہے۔

پس یہ بات واضح ہوگئی کہ مروجہ دعاء جہری بدعتِ مذمومہ وامر منکر ہے، اس کا ترک لازم اور ضروری ہے۔

دعاء جہری مفاسد سے خالی ہوتو؟

یہ سب کلام تھا اس مروجہ دعاء جہری میں جو مفاسد اعتقادیہ وعملیہ سے مرکب ہو لیکن جو دعاء جہری مفاسد سے خالی ہو وہ اپنی اصل پر باقی رہے گی اور جائز ومباح ہوگی جیسا کہ ہم نے رسالہ استحباب الدعوات سے نقل کیا ہے۔

دعاء جہری میں مصالح ہوں تو؟

اور اگر دعاء جہری مفاسد سے خالی ہونے کے ساتھ مصالح مطلوبہ عندالشرع پر مبنی ہوتو پھر یہ دعاء جہری افضل وعبادت ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مباح میں اگر مصالح کا اعتبار کیا جاوے تو وہ مباح طاعت بن جاتا ہے۔ جس طرح چلنا ہے کہ یہ فی نفسہٖ مباح ہے، مگر بنیت عبادت یا بغرض عیادت افضل وعبادت ہے۔ اسی طرح دعاء جہری کسی مصلحت پر مشتمل ہوتو وہ بھی افضل ومستحب قرار دی جاسکتی ہے۔ مثلاً:

تعلیم کی غرض سے دعاء میں جہر کرنا درست اور نفع متعدی ہونے کی وجہ سے افضل ہے۔ مگر یہ صرف اسی حد تک کہ غرض تعلیم پوری ہو جب یہ غرض پوری ہوجائے تو پھر اس کو ترک کر دینا چاہیے جیسا کہ اسی رسالہ میں امام شافعیؒ کا قول فتح الملہم سے نقل کیا گیا ہے کہ بقصد تعلیم جہر جائز تو ہے لیکن جب غرض پوری ہوجائے تو پھر دعا میں اسرار واخفاء کرنا چاہیے مگر یاد رہے کہ آج کل جو عام مساجد میں جہری دعاء کا رواج ہے اس میں اول تو یہ قصہ نہیں دوسرے مفاسد ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس میں مصالح

ہوں تو یہ درست نہیں ہوگی۔ جیسا کہ عنقریب اس کی وضاحت آتی ہے۔

اس طرح اگر کوئی اس غرض سے جہر کرے کہ قلب میں تیقظ و بیداری پیدا ہو اور سستی دور ہو تو بھی جہر کی اجازت کے ساتھ استحباب کا قول بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک مطلوب عندالشرع مصلحت ہے۔ اسی مصلحت سے صوفیاء کرام نے ذکر میں جہر کو افضل قرار دیا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اصل وافضل جہر ہے بلکہ یہ فضیلت واستحباب عارضی ہے، جو ایک غرض صحیح پر مبنی ہے، یہی محمل ومطلوب ہے ان روایات فقہیہ کا جن میں ذکر جہری کو افضل گردانا ہے۔ مثلاً علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں:

فان خلامما ذکرفقال بعض اهل العلم ان الجهرافضل لانه اکثرعملاً ولتعدی فائد ته الی السامعین ویوقظ قلب الذاکرفیجمع همه الی الفکرویصرف سمعه الیه ویطردالنوم ویزید النشاط. (۱)

(اگر (ذکر جہری) مفاسد مذکورہ سے خالی ہو تو بعض اہل علم نے فرمایا کہ جہر افضل ہے، کیونکہ یہ عمل کے اعتبار سے زیادہ ہے۔ نیز اس کا فائدہ سامعین کو بھی پہنچتا ہے اور یہ قلب کو بیدار کرتا ہے جس سے اس کا ارادہ وقصد غور وفکر کی طرف جمع ہوتا ہے اور اس کے کام بھی اس ذکر کی طرف لگ جاتے ہیں اور نیند کو دور کرتا ہے اور نشاط پیدا کرتا ہے)

امام فخر الدین الرازیؒ تفسیر کبیر میں حکیم الترمذی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

وان کان قد بلغ فی الصفاوقوة الیقین الی حیث صارآمناً عن شائبة الریاء کان الاولیٰ فی حقهٖ الاظهارلتحصیل فائدة الاقتداء. (۲)

(۱) ردالمحتار: ۲/۳۳۴ (۲) تفسیر کبیر: ۱۴/۱۳۱

(اگر (دعا یا ذکر کرنے والا) مقام صفا وقوت یقین کے اس مرتبہ کو پہنچ گیا ہے کہ ریاء کے شائبہ سے بھی مامون ومحفوظ ہوگیا تو اس کے حق میں اظہار یعنی جہر ہی اولی وافضل ہے تاکہ دوسروں کے اقتداء کرنے کا فائدہ حاصل ہو)

علامہ محمود آلوسیؒ نے بھی نقل کیا کہ دعاء جہری اس وقت افضل ہے جب کہ فائدہ متعدی ہو یا کسی مقصود کی تسہیل وغیرہ کا فائدہ حاصل ہو۔ ان کی عبارت تقریباً علامہ ابن عابدینؒ کی عبارت کے مثل ہے۔

ان سب عبارتوں اور اس کے علاوہ دیگر عبارات فقہاء میں دعاء جہری یا ذکر جہری کو جو افضل قرار دیا ہے، یہ ان مصالح مطلوبہ کے پیش نظر ہے جو خود ان عبارات میں مجملاً یا مفصلاً، صراحتاً یا اشارۃً مذکور ہیں۔

ایک شبہ کا جواب:

یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جب دعاء سری افضل ہے تو پھر جہری کس طرح افضل ہوجاوے گی۔ کیونکہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے غیر افضل افضل ہوجاوے اور موخر مقدم ہوجائے چنانچہ اس کی نظیر حدیث میں بھی ملتی ہے۔

وہ یہ کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر بوقت اقامت کھانا حاضر ہوجائے (اور کھانے کا تقاضا بھی ہو تو) تو پہلے کھانا کھالے پھر جماعت میں شریک ہو۔(۱)

اس مضمون کی احادیث حضرت عائشہؓ، انسؓ وابن عمرؓ وغیرہ سے بخاری وغیرہ میں مروی ہیں۔ اسی بنا پر فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں کھانا پہلے کھالینا افضل ومستحب ہے تاکہ نماز میں کھانے کا دھیان رہنے کے بجائے کھانے میں نماز کا دھیان ہو۔ یا یوں کہو کہ خشوع وخضوع میں خلل سے بچنے کے لیے کھانے کو مقدم کرنا افضل ہے۔

اس میں غور کیجئے کہ کھانے پر جماعت کی افضلیت ایک امر مسلم ہے، لیکن

---

(۱) بخاری: ۹۲/۱

ایک مصلحت کی خاطر حدیث میں کھانے کو مقدم وافضل قرار دیا گیا اور وہ مصلحت مطلوب عند الشرع ہے۔ یعنی نماز میں خشوع میں خلل نہ پڑنا۔ مگر اس سے کوئی یہ استدلال ہرگز نہیں کر سکتا کہ مطلقاً کھانا کھانا جماعت میں شرکت سے افضل ہے۔

اس کی دوسری نظیر صوفیاء کرام کا یہ قول ہے جو ان کے یہاں مشہور ہے یعنی ''شیخ کی ریاء مرید کے اخلاص سے بہتر ہے''۔

سب جانتے ہیں کہ اخلاص افضل عبادت بلکہ مغز عبادت ہے، اور اس کے مقابلہ میں ریاء افضل تو کیا بدترین چیز بلکہ عبادت کو بھی برباد کر دینے والی ہے، مگر محض ظاہر میں لوگوں کو دکھا کر عمل کرنا اگر شیخ کامل کی طرف سے ہو تو اس میں مفاسد تو ہوتے نہیں اور مصالح مرتب ہوتے ہیں۔

مفاسد تو اس لیے نہیں کہ وہ شیخ کامل قوت یقین وصفا کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتا ہے۔ لہٰذا دل میں کوئی خرابی مثل لوگوں کو دکھانے یا خوش کرنے کی نہیں ہوتی اور مصالح اس لیے مرتب ہوتے ہیں کہ اس کے معتقدین و منسلکین اس کو دیکھ کر عبادت میں رغبت حاصل کرتے اور طریقِ عبادت سیکھتے ہیں۔ اس لیے صوفیاء نے اس ریاکاری کو مرید کے اخلاص سے بھی افضل قرار دیا ہے، مگر اس کا کیا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ریاء افضل ہے اور اخلاص غیر افضل؟ ہرگز نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ اگر کوئی غیر افضل چیز مصالح پر مبنی ہو تو وہ بھی افضل ہو سکتی ہے، اس طرح دعاء جہری اگر مصالح شرعیہ پر مبنی ہو تو افضل ہو جائے گی۔

ایک سوال وجواب:

یہاں اگر کوئی یہ سوال کرے کہ یہ مروجہ دعاء جہری بھی بعض مصالح پر مبنی ہے مثلاً لوگوں کو اس میں دعاء کی تعلیم ہے تو پھر مروجہ دعاء بھی افضل ہونا چاہیے۔ پھر اس کو بدعت کیوں قرار دیا گیا؟

اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ آج کل یہ بات بالکل مفقود ہے۔ برسہا برس سے لوگ امام کی دعاء سنتے ہیں مگر خال خال ہی کوئی ہوں گے جو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوں، کیونکہ اس کے لیے طالب و متعلم میں قصد وارادہ کا ہونا شرط ہے، اور لوگ اس نیت سے دعائیں سنتے ہی نہیں، پھر ان کو کیونکر فائدہ ہوگا؟ لہٰذا آج کل یہ محض ایک رسم ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں۔

ثانیاً اگر اس فائدہ کو تسلیم کرلیں تو پھر بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان مصالح کی بنا پر دعاء جہری کی وہاں اجازت ہے جہاں کہ اس میں مفاسد عملیہ واعتقادیہ نہ ہوں۔ ہم اس کی طرف اس رسالہ میں اشارہ کر چکے ہیں۔

کیونکہ فقہی وشرعی اصل اور قاعدہ ہے کہ اگر کوئی عمل مصالح ومفاسد سے مرکب ہو تو اعتبار مفاسد کا ہوگا۔ حضرت مولانا تھانویؒ اپنی تحریر ''مکتوب محبوب القلوب'' میں فرماتے ہیں:

''اب دوسرا قاعدہ سمجھنے کے قابل ہے کہ بعض افعال مباحہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سرتاپا مفسدہ ہی مفسدہ ہے، اس لیے اس کے ممنوع ہونے میں کلام نہیں ہوتا۔ بعض افعال ایسے ہیں جن میں کچھ مصلحت اور کچھ مفسدہ ہوتا ہے، کسی کی نظر مصلحت پر ہوتی ہے اور مفسدہ کی طرف یا تو التفات نہیں ہوتا یا اس کو قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے یا اس میں کچھ تاویل کی گنجائش سمجھ لیتے ہیں۔

ایسا شخص اس کو جائز بلکہ مستحسن کہتا ہے اور کسی کی نظر مفسدہ پر بھی ہوتی ہے خواہ مفسدہ لازم ہو یا متعدی، ایسا شخص اس کو ممنوع ٹھہراتا ہے، خواہ مصلحت پر نظر ہی نہ ہو یا اس پر بھی نظر ہو۔ کیونکہ قاعدہ مقررہ ہے کہ جب حلّت وحرمت کے اسباب کسی شَے میں جمع ہو جاتے ہیں تو وہاں حرمت ہی کو ترجیح ہوتی ہے۔ (۱)

---

(۱) قواعد الفقہ: ۵۵

اسی طرح علامہ عمیم الاحسان رحمہ اللہ نے قواالفقہ میں علامہ ابن النجیم المصری علیہ الرحمۃ کی مشہور کتاب ''الاشباہ والنظائر'' سے نقل کرتے ہیں کہ

اذاجتمع الحلال والحرام والمحرم والمبیح غلب الحرام والمحرم.(۱)

(جب (کسی شی میں) حلال وحرام یا (اسباب حلت وحرمت جمع ہوجائیں تو حرام اور سبب حرمت کو ترجیح ہوتی ہے)

حاصل یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں مصالح ومفاسد جمع ہوجائیں تو مفاسد کا اعتبار کر کے اس کو حرام وناجائز کہیں گے یا مکروہ قرار دیں گے۔ ہاں اگر مفاسد نہ ہوں اور مصالح بھی ملحوظ ہوں تو پھر مصالح معتبر ہوں گے۔ اس لیے جن فقہاء نے دعاء جہری کو افضل کہا ہے انہوں نے یہ بھی قید لگائی کہ مفاسد سے خالی ہو۔ چنانچہ منقولہ بالا علامہ شامی کی عبارت میں ''**فان خلا مماذکر**'' (اگر مفاسد مذکورہ سے خالی ہو) اور علامہ رازی کی کتاب میں ''**فان کان قد بلغ (الی ان قال) صار آمناً عن شائبة الریاء**'' اس پر صریح دال ہیں کہ مفاسد سے خالی ہونے کی صورت میں مصالح کا اعتبار ہوگا۔

پس مروجہ دعاء جہری کے جواز کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی، لہٰذا یہ قابل ترک ہے۔ اس جگہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ کا ایک مضمون معارف سے نقل کرتا ہوں جس سے میری تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ مفتی صاحب معارف القرآن میں فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانے کے ائمہ مساجد کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمادیں کہ قرآن وسنت کی اس تلقین کو اور بزرگانِ سلف کی ہدایات کو یکسر چھوڑ بیٹھے، ہر نماز کے بعد دعا کی

---

(۱) قواعد الفقہ: ۵۵

ایک مصنوعی سی کارروائی ہوتی ہے، بلند آواز سے کچھ کلمات پڑھے جاتے ہیں جو آدابِ دعاء کے خلاف ہونے کے علاوہ ان نمازیوں کی نماز میں بھی خلل انداز ہوتے ہیں، جو مسبوق ہونے کی وجہ سے امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی باقی ماندہ نماز پوری کررہے ہیں۔ غلبہ رسوم نے اس کی برائی اور مفاسد کو ان کی نظروں سے اوجھل کردیا ہے۔ کسی خاص موقع پر خاص دعاء پوری جماعت سے کرانا مقصود ہو، ایسے موقع پر ایک آدمی کسی قدر آواز سے دعاء کے الفاظ کہے اور دوسرے آمین کہیں، اس کا مضائقہ نہیں۔ شرط یہ ہے کہ دوسروں کی نماز وعبادت میں خلل کا موجب نہ بنیں۔ اور ایسا کرنے کی عادت نہ ڈالیں کہ عوام یہ سمجھنے لگیں کہ دعاء کرنے کا طریقہ یہی ہے جیسا کہ آج کل عام طور سے یہ ہورہا ہے۔ یہ بیان اپنی حاجات کے لیے کرنے کا تھا اگر دعا کے معنی اس جگہ (آیت ادعوا) میں ذکر وعبادت کے لیے جاویں تو اس میں بھی علماء سلف کی تحقیق یہی ہے کہ ذکرِ سرذکر جہر سے افضل ہے۔ اور صوفیاء کرام میں مشائخ وچشتیہ جو متبدی کو ذکر جہر کی تلقین فرماتے ہیں وہ اس شخص کے حال کی مناسبت سے بطور علاج کے ہے تاکہ جہر کے ذریعہ کسل اور غفلت دور ہوجاوے اور قلب میں ذکر اللہ کے ساتھ ایک لگاؤ پیدا ہوجائے، ورنہ فی نفسہ ذکر میں جہر کرنا ان کے یہاں بھی مطلوب نہیں۔ گو جائز ہے اور جواز بھی اس کا حدیث سے ثابت ہے بشرطیکہ ریا ونمود نہ ہو۔" (۱)

خلاصۃ المرام:

پوری بحث اور سارے رسالہ کا ماحصل ونچوڑ یہ ہے کہ قرآنی وحدیثی دلائل کی روشنی میں دعاء میں سر واخفاء ہی اصل وافضل ہے، اور اس پر جمہور علماء امت کا بالخصوص ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے تو گویا یہ مسئلہ قرآن وحدیث کے ساتھ اجماع امت

(۱) معارف القرآن: ۵۷۸/۳

سے بھی مؤید و مدلل ہے۔ اور جن حضرات نے اس میں اختلاف کرتے ہوئے دعاء جہری کو افضل و مستحب کہا ہے، علماء محققین و جمہور ائمہ کے نزدیک ان کا قول نا قابلِ التفات ہے اور جن دلائل پر اس قول مخالف کی بنیاد ہے، علماء نے ان دلائل کو مخدوش اور اپنے مدعی پر غیر صحیح یا غیر صریح وماؔول قرار دے کر ان کے مدلل جوابات دیدیئے ہیں۔ لہٰذا دعاء جہری کا حکم کہ اگر کوئی کرے تو کیسا ہے؟

تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ دعا اگر جہر مفرط سے ہو تو بالاتفاق ناجائز ہے۔ جس پر علماء کرام کی بے شمار تصریحات ہیں، جن میں سے بعض کو ہم نے بھی نقل کر دیا ہے۔ اور اگر دعاء جہر متوسط و متعدل سے ہو تو پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ مفاسد و مصالح دونوں سے قطع نظر فی نفسہ جائز ہے۔ اور اگر اس میں مفاسد اعتقادیہ یا عملیہ منضم ہوں تو پھر ناجائز ہے۔ اگرچہ اس میں مصالح بھی ہوں، لیکن ان مصالح کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگر دعاء جہری مفاسد سے خالی اور پھر اس میں مصالح بھی ملحوظ و مضمر ہوں تو افضل و اولیٰ ہوگی۔

پس دعاء بجہر معتدل فی نفسہ جائز ہے، لیکن اس میں کبھی عارضی کراہت آجاتی ہے اور کبھی عارضی فضیلت لاحق ہو جاتی ہے اور اصل اور ذاتی فضیلت دعاء سری ہی کی ہے۔

اس تقریر سے تمام دلائل قرآنیہ وحدیثیہ وروایات فقہیہ میں پوری تطبیق ہوگئی اور مسئلہ کی وضاحت کے ساتھ سبھی قسم کے اشکالات وشبہات کے جوابات بھی ہوگئے۔

ولله الحمد اولاً وآخراً ولهٗ الشكر ظاهراً وباطناً على ماوفقنى لتحرير هذه العجالة والهمنى الصواب على وفق طريقه الفقهاء هذا ما اردت **ايراده فى هذا المقام.**

محمد شعيب الله خان

۱۴۰۳.۱۱.۲۵